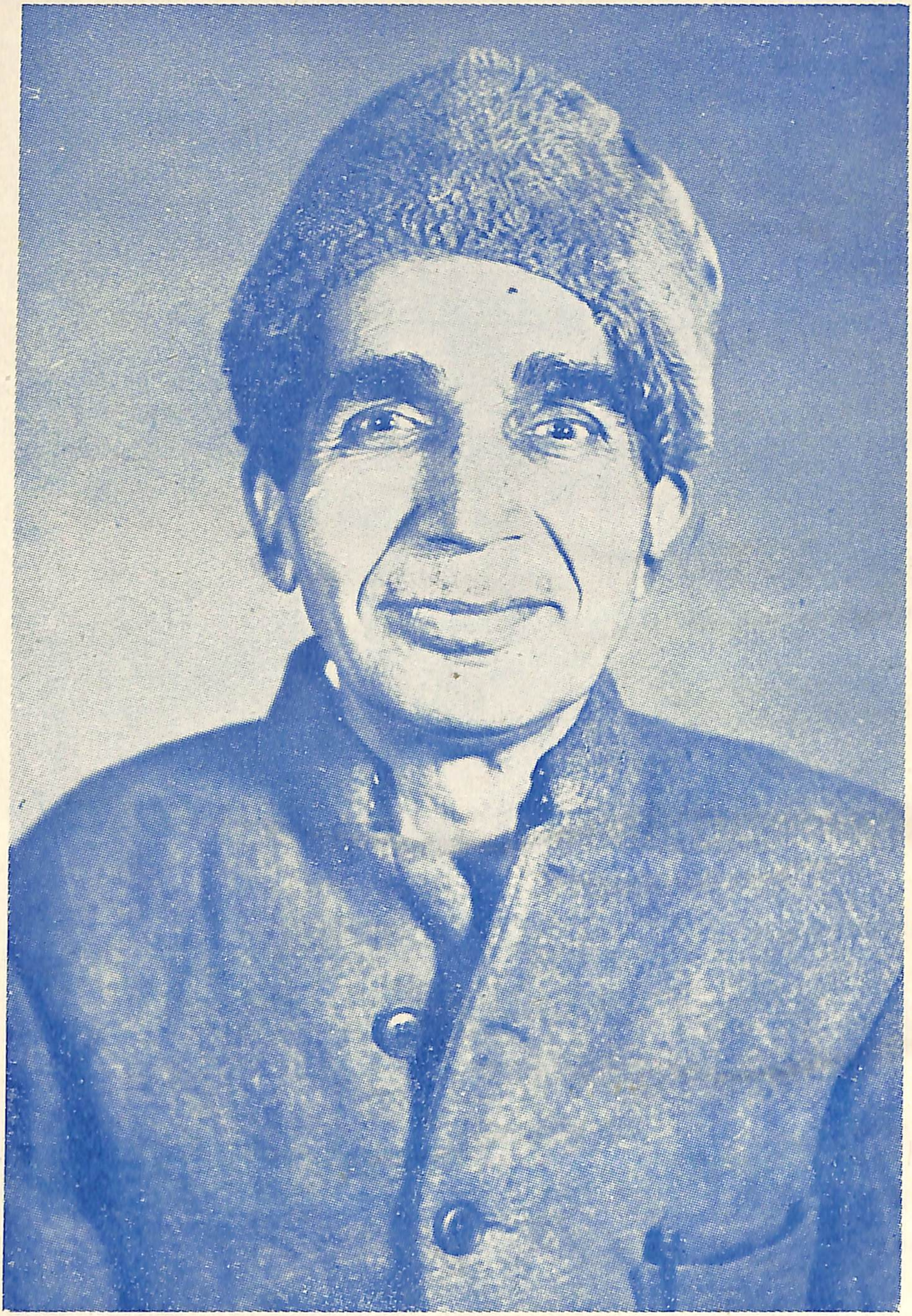
منوہر لال دل

پبلشرز:- رادھا کشن آنند اینڈ کمپنی - جموں

پہلی بار ——— ۱۹۷۵ء
قیمت ——— بیش۲۰ روپے
مطبوعہ ——— کوہ نور پریس دہلی ۶
پبلشرز: ——— رادھا کرشن آنند اینڈ کو، جموں
کتابت ——— دیوان چند مونگا، دہلی



منوہر لال دِل

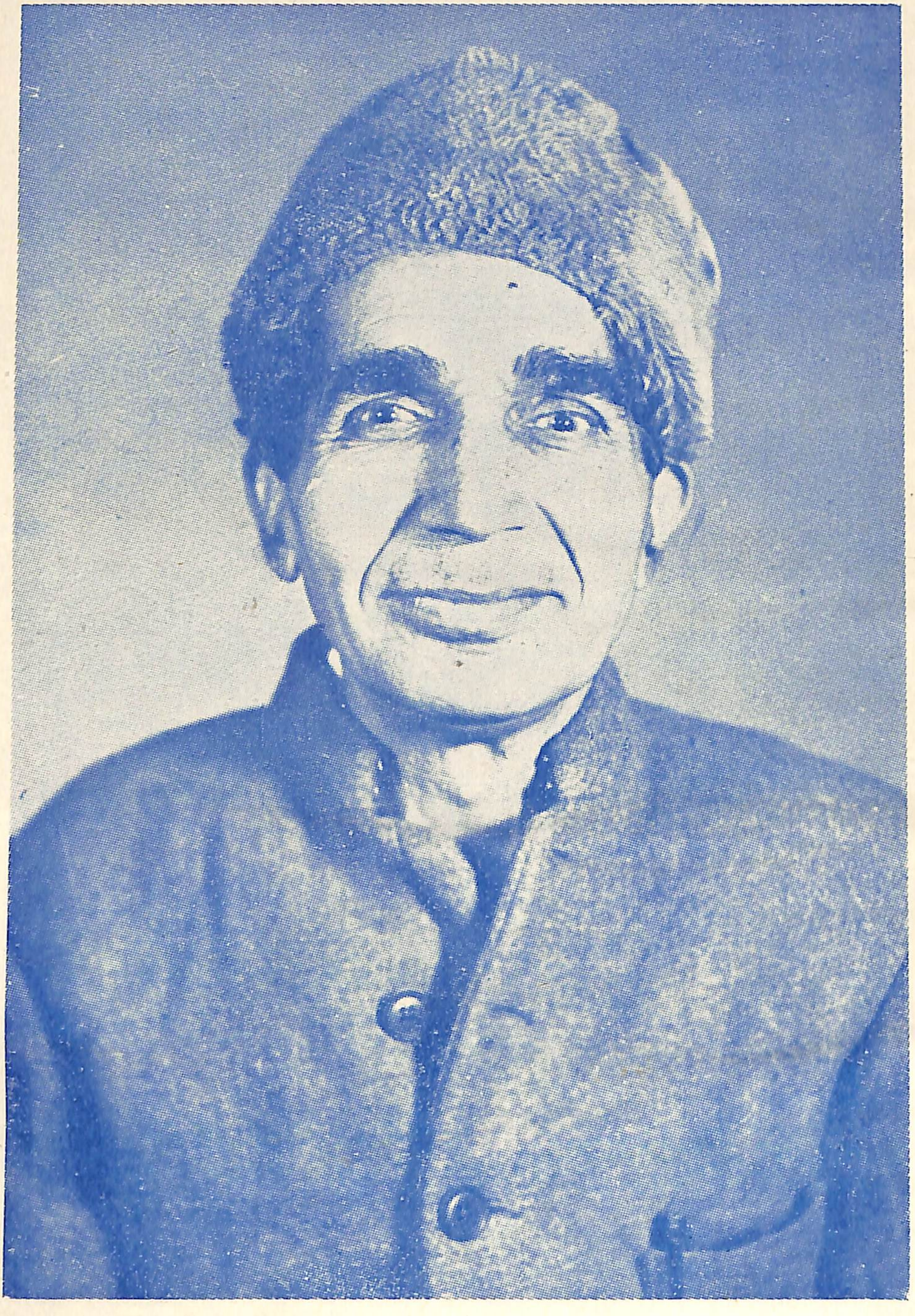
پہلی بار ——— ۱۹۷۵ء

قیمت ——— ۲۰ بیس روپے

مطبوعہ ——— کوہ نور پریس دہلی ۶

پبلشرز: ——— رادھا کرشن آنند اینڈ کو، جموں

کتابت ——— دیوان چند مونگا، دہلی



منوہر لال دِلؔ

اِنتساب!

اَلِف، رے، دال، واو

کے نام

جن چار حرفوں نے مِل کر ایک ایسی
زبان کو جنم دیا ہے جس میں کوثر و تسنیم کا
سرگم بھی ہے اور گنگا وجمنا کی
روانی بھی

دِل

پیش لفظ

جناب منوہر لال دِل جموں کے بزرگ شعرا میں سے ہیں۔ اُن کی مشقِ سخن چالیس برس کے لگ بھگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں ہر مقام پر کہنہ مشقی رچی ہوئی ہے۔ وہ خالص تغزّل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزل تمام تر ایسے مضامین پر مشتمل ہوتی ہے جو اچھے اساتذہ نے غزل کے لئے مقرّر کئے ہیں۔ آپ جدید شاعری کی بدعتوں سے مُلوّث نہیں۔ اِس لئے آپ کے کلام میں ایک کلاسیکی چاشنی پائی جاتی ہے۔ آج کے اِس پُر آشوب دورِ سخن میں یہ استواری، یہ وفاداری ایک سایہ دار درخت کی چھاؤں کی طرح ہے۔ کیا ذیل کے یہ اشعار غزل کے عہدِ شباب کی یاد تازہ نہیں کرتے:۔

دِل میں روشن کر محبت کے چراغ — دیکھ یہ تاریک گھر اچھا نہیں

بنتی بھی ہے ہر روز، بگڑتی بھی ہے ہر روز — دُنیا ہے یہ پروردۂ آغوشِ فنا کیا!

پہنچ تو جاؤں کسی طرح اُن کی محفل میں — مگر تکلّفِ ہمّت شکن سے ڈرتا ہوں

بُتِ خود بیں سے آشنائی کی — آئینے نے بڑی صفائی کی

دِل صاحب کی قادر الکلامی کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ بارہا بولتی ہوئی طویل ردیفوں پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ بعض ردیفوں کا اشکال اِنشا و مصحفی کے دَور کی یاد دلاتا ہے۔ چند زمینیں مُلاحظہ ہوں۔ قافیئے کے لفظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:۔

نالۂ دل ہے اثر انداز جو چاہے کرے
تُو گیا جب تو کسے ہوش رہا تیرے بعد
نظامِ ساغر و مینا بدل سکے تو بدل
محبت نے کئے نازل عذاب اوّل سے آخر تک
کہے گا کون حکایت کسی کی میرے بعد
قسمت پہ ہم کو ناز کبھی ہے، کبھی نہیں
چھُوٹ ہی جائے گا وطن، آج نہیں تو کل سہی
اب تری چلنے نہیں پائے گی، چل فرقت کی رات
ایک جہانِ کیف ہے دل کے حضُور موجزن

انیس نے کمالِ شاعرانہ کا ایک معیار یہ قرار دیا تھا۔ ع
اِک پھُول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

حضرت دل نے بھی اُستادی کی اس روایت کو سچ کر دکھایا ہے۔ چنانچہ وہ ایک نوع کے خیالات کو طرح طرح سے باندھنے میں بند نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ کہیں تکرار کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ ملکہ اساتذہ کے کلام میں ڈوبے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ ویسے شاذو نادر وہ غزل کے مُعینہ مطالب سے ہٹ کر بھی کچھ کہہ جاتے ہیں۔ مثلاً:-

نہ آئیگی نظر امن و اماں کی مُلک میں صورت — رگ و ریشہ سے جب تک فرقہ آرائی نہیں جاتی
یہی ہے زیست کا مقصد، یہی ہے حاصلِ زیست — نصیب قوم و وطن کا بدل سکے تو بدل
نئے اُفق، نئے ماحول کا تقاضا ہے — رسُومِ کہنہ کا شیوہ بدل سکے تو بدل

پہلے دو شعر چکبست کی یاد دلاتے ہیں تو تیسرا شعر ترقّی پسندی کے افتتاح کی۔
یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ دِل صاحب کی وسیع المشربی نے ان سے دو ایک مرثیے اور سلام بھی کہلواتے ہیں۔ مرثیہ میں آپ رزمیہ انداز کے قائل نہیں بلکہ مرثیے کے بنیادی موضوع بین و رثا کو پسند کرتے ہیں۔ اِس لئے انیس و دبیر کی طرح مُسدّس

کی صنف میں نہ کہہ کر مخمس کا استعمال کرتے ہیں۔ ذیل کے مرثیے کا پہلا بند ملاحظہ ہو۔ سکندر و سودا کا لطف تازہ کر دیتا ہے:

تو بے خبر نہیں اس سے خدا کے پاک رسول
کہ حق پرستوں پہ جاری ہے آفتوں کا نزول
الجھ رہے ہیں کئی دامنوں سے ان کے ببول
بتا بتا، انھیں رکھے گا تا بہ کے تو ملول
یہ رنگ رنگ کے غنچے، چمن چمن کے ہیں پھول

اور سلام میں حسنِ تعلیل کا یہ نکھار ہے۔

نہر فرات آج بھی روتی ہے بے دریغ
شاید ہے یہ بھی غرق غمِ بوتراب میں

جزاک اللہ!

دل بنیادی طور سے حسن و عشق کے شاعر ہیں جن کا تخلص دلؔ ہو، وہ حسن و عشق کا بندہ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ وہ انھیں کے معاملات کے جملہ پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں۔ ان کا کلام آتشؔ و داغؔ اور ان کے تلامذہ کی یاد دلاتا ہے۔ اس دور میں یہ پختہ کلامی بسا غنیمت ہے۔ ایسے باقیات الصالحات مغتنمات میں سے ہیں۔ کاش وہ اہلِ جموں کے بیچ عرصے تک اسی طرح غزل کی پرداخت و نگہداشت کرتے رہیں اور اسے خطِ مستقیم سے بھٹکنے سے باز رکھیں!

جموں
۱۳ر جنوری ۱۹۷۳ء

(ڈاکٹر) گیان چند
صدر شعبۂ اردو
جموں یونیورسٹی، جموں

"نقدِ دل"

اس کا طوفانِ رنگ و بُو — توبہ!
"نقدِ دل" گلستانِ اہلِ نظر
کیوں نہ سر آنکھوں پر جگہ دیں اسے
"نقدِ دل" ترجمانِ اہلِ نظر
یہ نہیں محض مایۂ تفریح
"نقدِ دل" ہے کمالِ نقدِ حیات
حرف حرف اس کا ہے فصیح و بلیغ
"نقدِ دل" ہے تمام قند و نبات
کیا دل آرا ہے اس کی طرزِ بیاں
"نقدِ دل" میں دھڑک رہا ہے دِل
ماضی و حال کی ہے یہ تصویر
"نقدِ دل" میں ہے رُوحِ مُستقبل
"نقدِ دل" ہے کلامِ حضرتِ دِلؔ
"نقدِ دل" ہے پیامِ حضرتِ دِلؔ

(میکش کاشمیری)

اُن کے الطاف کو آفات سمجھنے والا
اک فقط عشق ہے یہ بات سمجھنے والا

سبز باغ اور مجھے اب نہ دکھا اے کم ظرف!
میں ہوں کم ظرف کی اوقات سمجھنے والا

چل دیا وہ بھی کہیں چھوڑ کے تنہا مجھ کو
ایک ہی دل تھا مری بات سمجھنے والا

میری ہر بات کے پردے میں ہیں سَو سَو باتیں
ہے کوئی میرے اشارات سمجھنے والا

وہ بھی اب پُوچھتا ہے مجھ سے خود اپنے حالات
میرے حالات کے حالات سمجھنے والا

بار بار اس کو تُو سمجھائیگا کب تک اے شیخ!
جب نہیں رند تری بات سمجھنے والا

دشمن و دوست کی باتوں میں نہ آیا ہے نہ آئے
دشمن و دوست کے جذبات سمجھنے والا

میں تیرے فقروں میں آنے کا نہیں اے واعظ!
میں نہیں دن کو کبھی رات سمجھنے والا

کون ہے مرے سوادِ دہر میں اے حشر خرام
تیرے فتنوں کی عنایات سمجھنے والا

اس زمانے میں کہاں ایسا کوئی روشن دِل
دل میں جو بات ہو وہ بات سمجھنے والا

کون پہنچے تیرے جذبات کی تہہ تک اے دِل
یہ جہاں تو ہے خرافات سمجھنے والا

○

وطن کی راہ میں گردن جو کٹوائی نہیں جاتی
بآسانی مصیبت دیش پر آئی نہیں جاتی

تعصب تنگ نظری بدگمانی اور تنفر سے
گرہ ہستی کی سلجھائیں تو سلجھائی نہیں جاتی

نہ آئے گی نظر امن و اماں کی ملک میں صورت
رگ و ریشہ سے جب تک فرقہ آرائی نہیں جاتی

شہیدِ ناز سے پوچھو رموزِ عاشقی کیا ہیں
گرہ اس عشق کی ہر اک سے سلجھائی نہیں جاتی

بہ فیضِ جذبۂ نفرت کبھی دنیائے ہستی میں
خوشی کی لہر پل بھر کے لئے لائی نہیں جاتی

ضرورت ہے کہ پھر سر سے کفن باندھے ہوئے نکلیں
کہ دنیا ظلم کی باتوں سے لرزائی نہیں جاتی

ہوئی مدت جبینِ ہند محرومِ تبسم ہے
جو دل سے داستانِ عشق دہرائی نہیں جاتی

نالۂ دِل ہے اثر انداز جو چاہے کرے
توڑ دے، رکھے، فلک کے ناز جو چاہے کرے

درد کی خاطر تواضع کا تو کچھ ساماں نہیں
اب ہماری خاطرِ ناساز جو چاہے کرے

پھونک دے مطرب کہ گرما دے مری بزمِ طرب
اب تو تیرا شعلۂ آواز جو چاہے کرے

دیکھ لینا ہے کرشمہ اُس نگاہِ ناز کا
کر دکھائے سحر یا اعجاز جو چاہے کرے

راگ بگڑا ہی رہے گا خاطرِ ناشاد کا
نغمہ جو چاہے کرے اب ساز جو چاہے کرے

اب تو پھروں اُن کے در سے کچھ نہیں آتا جواب
کوئی سر پٹکے کہ دے آواز جو چاہے کرے

توڑ کر رکھ دے قفس کو یا مرا دل توڑ دے
کر دکھائے حسرتِ پرواز جو چاہے کرے

ہم کو دم دے جائے یا کر لے کوئی جی دم کی بات
بات تو سیدھی کرے دم باز جو چاہے کرے

عشق میں کیا ہے بُرا اچھا سمجھتا ہے یہ آپ
دل بڑھے آگے کہ آئے باز جو چاہے کرے

داغ ہیں سوزِ عشق کے سینۂ داغ دار میں
یا ہیں سدا بہار پھول دامنِ نو بہار میں

آکے شمیمِ فصلِ گل یاد دلا گئی مجھے
وعدہ کیا تھا تم نے جو مجھ سے کبھی بہار میں

وہ جو خرامِ ناز سے صحنِ چمن میں آگئے
لگ گئے اور چار چاند فطرتِ طرفہ کار میں

اُن کی بلا سے زلفِ دوست حشر کے دن سے بھی دراز
ہیں جو اسیر گیسوئے شاہدِ نو بہار میں

تارے اگر تمام شب جاگ گئے تو کیا ہوا
میری بھی نیند اُچٹ گئی حسرتِ انتظار میں

زندہ تھا اور سکوں بھی تھا زندہ ہوں اور سکوں نہیں
فرق ہے اور نہیں بھی ہے زیست میں اور قرار میں

شام اگر ہے غم بدوش نورِ سحر ہے غم رُبا
اتنی تو بات ہے ضرور گردشِ روزگار میں

نظر اعجاز ہو جائے گی کہتے ہو، مگر کب تک؟

فسونِ ناز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

غزل خود ساز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

کتاب آواز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

بیانِ راز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

نظر آواز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

کہاں سے اس میں ساقی کی ادا آجانے والی ہے

شراب" انداز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

قرار آجائے گا چنچل نگہ کو کس طرح آخر

وہ دِل کا راز ہو جائیگی کہتے ہو مگر کب تک

بتاؤ تو سہی کیونکر خزاں کا رنگ بدلے گا

بہار انداز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

چلا جاتا ہے اب تک تو بُرا ہی حال رِندوں کا

یہ صف ممتاز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

نگاہِ ناز کرتی ہے جو مشقِ فتنہ پردازی

کرم انداز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

یہ دُنیا دم دیئے جانے سے جس کو کام رہتا ہے
مری دم ساز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

غریبی سر بلندی اور امیری سرنگوں ہو گی
چڑی شہباز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

میرے سینے کی دھڑکن جو بڑھا دی مُضطرب انم نے
شریکِ ساز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

ابھی تک تو مصیبت ہے مری اُفتادگی مجھ کو
پرِ پرواز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

بُتوں سے رہ کے خالی بھی حرم کی چار دیواری
حریمِ ناز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

بناتے تو نہیں تم شاعری کو جاندار اے قلؔ
غزل اعجاز ہو جائے گی کہتے ہو مگر کب تک

کب کفر نے دیا ہے پیغام زندگی کا
ہو معتقد تو کیوں کر اسلام کافری کا

پہلے ہی سوچنا تھا انجام دل دہی کا
مدِ نظر ہے کیوں اب اقدام خودکشی کا

دن ہو کہ رات جن کو ہے کام کام ہی سے
مطلوب کب انہیں ہے آرام زندگی کا

کٹ مرتے کٹتے جو حق پر وہ آدمی نہیں جب
کس منہ سے لب پہ آئے پھر نام آدمی کا

پھرتا ہوں مارا مارا در در کی ٹھوکریں ہیں
کیا ہے؟ یہی خدایا! انعام بندگی کا

جو خود ہی بے خبر ہے منزل کے مرحلوں سے
بنتا ہے مدعی وہ ہر گام رہبری کا

ہوں مستحق سزا کا تم شوق سے سزا دو
آیا ہے مرے سر پر الزام عاشقی کا

یہ اتفاق دیکھو بانگ اذان بھی آئی
آیا کبھی جب اے دلؔ ہنگام مے کشی کا

قدرت بھی ہو زباں پر فن ہیں بھی ہو مہارت
جب آئے گا سلیقہ الہام پروری کا

سودا ہے میرے سر میں تو خبط میرے دل میں
ہر صبح شاعری کا ہر شام شاعری کا

چھُپ کے دُنیا سے اِسی جلوۂ رُوپوش میں آ
آ کبھی حسنِ ازل! آ مری آغوش میں آ

چل اب اے ہوش مرے خواب فراموش میں آ
کچھ نہیں اس میں خرد کوش نہ بن ہوش میں آ

مِل گئی ہم کو تو زاہد غمِ دوراں سے نجات
تو بھی آ محفلِ رندانِ بلا نوش میں آ

آہ و زاری سے نہ کر عشق کی اے دِل توہین
کام لے صبر سے بیتاب نہ ہو ہوش میں آ

صبرِ مظلوم کا جاتا نہیں بیکار کبھی
جورِ بے جا سے اُٹھا ہاتھ نہ یوں جوش میں آ

حسرتِ دید سہی جلوہ نظر سوز سہی
ذوقِ نظارہ فراموش نہ کر ہوش میں آ

سر پھرانا ہو جو رندانِ قدح کش کا تجھے
آ مرے غم کی خلش بادۂ سرجوش میں آ

آرزوؤں کا مری خوں ہی کرنا ہے اگر
شوق سے جا نہ میرے حجلۂ خاموش میں آ

دیکھنا ہو جو تجھے رفعتِ ہستی کا مقام
ہوسِ جاہ کسی دن مری پاپوش میں آ

میری باری بھی تیرے بعد ہے آنے والی
پہلے تو خونِ جگر غم کے خور و نوش میں آ

وہ کریں ترکِ تغافل نہیں ممکن اے دل
جوش میں ہوش نہ کھو ہوش میں آ ہوش میں آ

لگ گیا کوئی صراحی کے کوئی جام کے ہاتھ
رِند بکتے ہی رہے ساقیٔ گلفام کے ہاتھ

صبح کے ہاتھ کبھی اور کبھی شام کے ہاتھ
زندگی اپنی رہی گردشِ ایام کے ہاتھ

ہائے وہ آنکھ جو حسرت سے ٹپکتی ہی رہی
آہ وہ دِل جو لٹا زلفِ سیہ فام کے ہاتھ

منزلِ عشق میں کچھ ہم سے بنائے نہ بنی
پاؤں بھی ٹوٹ گئے جب تک رہے کام کے ہاتھ

سخت جاں سے تو قضا تک بھی لرز جاتی ہے
کیا مٹائیں گے مجھے گردشِ ایام کے ہاتھ

عیش کی فکر میں جینے کی مصیبت توبہ
ہم نے تکلیف اٹھائی بہت آرام کے ہاتھ

عاقبت مِل نہ سکی منزلِ راحت ہم کو
ٹھوکریں کھاتے پھرے حسرتِ ناکام کے ہاتھ

اپنی دُنیا کو الگ دیر و حرم سے رکھا
کفُر کے ہاتھ بکے ہم تو نہ اسلام کے ہاتھ

ہو گیا کام ہی آخر کو ہمارا تو تمام
سونپ کر کام جو بیٹھے دِلِ ناکام کے ہاتھ

سر سے اُونچا ہوا جاتا ہے اب اے دلؔ پانی
ہم کہیں کے نہ رہیں گے غم و آلام کے ہاتھ

زندگی اس سے پشیماں کبھی ایسی تو نہ تھی
اب ہے جو حالتِ انساں کبھی ایسی تو نہ تھی

تھی مگر موت کا ساماں کبھی ایسی تو نہ تھی
جان لیوا شبِ ہجراں کبھی ایسی تو نہ تھی

تیغ و خنجر ہی سے ہوتی ہے تواضع اب تو
پُرسشِ حالِ غریباں کبھی ایسی تو نہ تھی

آج کچھ لا کے جلے دل تو نہیں رکھے ہیں
آپ کی بزم چراغاں کبھی ایسی تو نہ تھی

اب تو ہر گام پہ اُٹھتے ہیں ہزاروں فتنے
دوستی حشر بداماں کبھی ایسی تو نہ تھی

آدمیت کا اسی دور میں کچھ مول نہیں
پہلے ناقدریٔ انساں کبھی ایسی تو نہ تھی

کون آیا ہے گیا کون اُداسی کیوں ہے
صورتِ منزلِ جاناں کبھی ایسی تو نہ تھی

زندگی خوگرِ آلام ہے اپنی ورنہ
بے اثر گردشِ دوراں کبھی ایسی تو نہ تھی

آج کیا بات تمہیں جوش میں لائی اے دِل
طبعِ آشفتہ غزل خواں کبھی ایسی تو نہ تھی

○

سانس گھٹتی رہی زاری ہیں بسر ہونے تک
گردِ غم چھائی رہی آنکھ کے تر ہونے تک

شبِ غم نالے نے گھر سر پہ اُٹھا رکھا تھا
ایک طوفان کا عالم تھا سحر ہونے تک

لذّتِ دردِ محبت ہمیں معلُوم نہ تھی
دل میں پیوست ترا تیرِ نظر ہونے تک

موجۂ بحرِ حوادث کا نہ پوچھو عالم
زیست بیکار تھی ساحل پہ بسر ہونے تک

جان بچ جائے کہیں اب جو اجل آ جائے
جینا دُوبھر ہے شبِ غم کی سحر ہونے تک

دُھول اڑانے کی بہار اور ہی کچھ ہوتی ہے
ہم نے کی خاک بسر خاک بسر ہونے تک

زندگی رنگ پہ آتی ہے کہاں اے غافل
دل پہ نیرنگیِ الفت کا اثر ہونے تک

غور سے عالمِ ہستی پہ نظر کی ہم نے
اِس میں کچھ بھی تو نہ تھا زیر و زبر ہونے تک

شب کو آئے تھے تو کیا آئے تھے اے دل آخر
روٹھے بیٹھے رہے وہ ہم سے سحر ہونے تک

○

کسی کے حسنِ خود آرا پہ کیوں نگاہ کرو
حرام نیند کرو زندگی تباہ کرو
ستم کرم ہے نہ نالہ کرو نہ آہ کرو
خوشی میں اس کی رہو شاد واہ واہ کرو
تمہارا یوں بھی ہے احسان اور یوں بھی ہے
نظر کرم کی کرو قہر کی نگاہ کرو
وہاں تو کان پہ جوں بھی کبھی نہ رینگے گی
ہزار نالہ کرو، لاکھ آہ آہ کرو!
کہیں گے ہم بھی خدا مہربان ہے ہم پر
بتو! کرم کی نظر تم جو گاہ گاہ کرو
عجب نہیں کہ جو یوں کارِ زیست چل جائے
چلو کبھی دلِ کافر ادا میں راہ کرو
یہ ڈوب مرنے کی ہے بات اس میں چاہ نہیں
ہوس ہوس ہے ہوس کی کبھی نہ چاہ کرو

مری تمہاری بھی گفتگو ہے قول و قسم
تو اس میں لا کے خدا کو بھی کیوں گواہ کرو
وجودِ ہستیٔ موہوم کچھ نہیں اے دل
نظر کے سامنے بھی ہو تو اشتباہ کرو

فریب خوردۂ دَیر و حرم حیات رہی
رہے کہیں کے نہیں ہم یہ کیسی بات رہی؟

اُسی کی دل میں عقیدت زباں پہ بات رہی
جس آدمی کی وطن کے لئے حیات رہی

ترے خیال میں گذری ہے زندگی جتنی
ہر ایک دن وہ حسین تھا حسین رات رہی

جیا کیا ہوں تیری یاد میں فنا ہو کر
فنا سے دُور مری منزلِ حیات رہی

ہمارے واسطے غم تھا تو ہم تھے غم کیلئے
الگ الگ ہی مسرّت کی کائنات رہی

مُصیبتوں کا جو تانتا بندھا رہا وہ رہا
ہمیں تو شام و سحر فکرِ حادثات رہی

جہاں دُور ہی بزمِ یقیں سے رہتا ہے
ہمیشہ فکر اسیرِ تخیّلات رہی

نہ پوچھئے میرے بخت سیاہ کا اندھیر
کبھی تو یہ بھی ہوا ہے کہ دن میں رات رہی
تجھی سے دل لیے ہے روشن چراغ ہستی کے
فلک پہ چاند ستاروں میں تیری بات رہی

○

حسرت و یاس کے طوفان کسے نذر کروں
دمِ رحلت میں یہ سامان کسے نذر کروں

شورشِ عشق کا سامان کسے نذر کروں
کس کو وحشت کا یہ دیوان کسے نذر کروں

غمِ ہستی، غمِ عقبیٰ، غمِ فرقت غمِ دوست
جان ایک اور کئی مہمان کسے نذر کروں

چُبھ رہے ہیں جو مرے دل میں نکالوں کیونکر
نغمہ و شعر کے پیکان کسے نذر کروں

کون گاہک ہے بھلا میری پریشانی کا
میں اسی میں ہوں پریشان کسے نذر کروں

جامۂ چاک ہے کس بزم میں لے جانے کا
اب یہ دامن یہ گریبان کسے نذر کروں

اے بتو! تم کو تو اِس جنس سے مطلب ہی نہیں
جان دوں تم کو تو ایمان کسے نذر کروں

کافری بھی میری دولت میں ہے اسلام بھی ہے
کہیں کافر نہ مسلمان کسے نذر کروں
سب کو معلوم ہے دل دل کی پریشاں حالی
کون مل جائے گا انجان کسے نذر کروں

جہاں کے عشرت کدے میں ہم کو نصیب دل کا سرور کیا ہو
گناہ گاری کی ظلمتوں سے تجلّیوں کا ظہور کیا ہو

شکست خوردہ ہے بے گناہی گنہگاروں پہ اب کرم ہے
یہی ہے انصاف اگر تمہارا تمہاری اُلفت ضرور کیا ہو

شباب کی وادیٔ طرب میں چمک رہا ہے فنا کا تارا
یہی ہے انجام تو چمن میں بہارِ رنگ و سرور کیا ہو

چراغ گھر کا سب اپنے گھر میں ہوا کی زد سے بچا رہے ہیں
جو یوں ہو محفوظ شمعِ ہستی تو ظلمتوں کا ظہور کیا ہو

بہار آئی تو ہے چمن میں مجھے نہیں ہے سکوں میسّر
لہو ٹپکتا ہو چشمِ گل سے تو میری آنکھوں میں نور کیا ہو

اگرچہ قیدِ قفس سے چھُٹ کر بہار کا آسرا لیا ہے
بہار بھی ہو خزاں بہ داماں تو دل میں کیف و سرور کیا ہو

قسمت سے کبھی جب پیشِ نظر وہ حسن تمام آجاتا ہے
ہر تارِ نظر میں دیکھا ہے حیرت کا مقام آجاتا ہے
جب دردِ محبت بڑھتا ہے دن آتے ہیں جل اٹھنے کے
جب داغ یہ بن کے اُبھرتا ہے شعلوں میں نظام آجاتا ہے
اے داورِ محشر کیا کہیئے جینے کی تمنّا کیا کیجے
اظہارِ تمنّا سے پہلے خنجر کا پیام آجاتا ہے
ہم کِس کو حقارت سے دیکھیں ہے کون حقیر اِس دُنیا میں
تنکے کا سہارا بھی تو کبھی انسان کے کام آجاتا ہے
اُس وقت نہ جانے ہوتی ہے کیا قلب و نظر میں سرگوشی
دُنیائے حیا کے کانوں تک جب عشق کا نام آجاتا ہے
منصُور کی باتیں کیا کیجے منصُور کی باتیں رہنے دو
منصُور اگر اک پیدا ہو آفت میں نظام آجاتا ہے
اس جوشِ جنوں کو کیا کہیئے وحشت کا ٹھکانہ کیا کیجے
جب فصلِ بہاراں آتی ہے زنداں میں قیام آجاتا ہے

دن عیش و مسرت کے کٹتے ہیں لمبی چوڑی باتوں میں
جب وقتِ مصیبت ہو لب پر اللہ کا نام آجاتا ہے
تدبیر کے ہاتھوں ہی اے دِل دُنیا کے مقدر بنتے ہیں
مائل بہ مقدر رہنے سے حسرت کا مقام آجاتا ہے

نہ خضرِ رہ کی بدولت نہ کارواں کے طفیل
ملی حیات کی منزل غمِ جواں کے طفیل

تمام عُمر رہا سامنا قیامت کا
غمِ حبیب کی خاطر غمِ جہاں کے طفیل

ہُوا سکون میسّر نہ زندگانی کو
کبھی بہار کے دم سے کبھی خزاں کے طفیل

غمِ حیات کی تلخی ارے معاذ اللہ
بلا ہے جانِ حزیں یادِ رفتگاں کے طفیل

نفس کی راہ میں جلنے لگے فنا کے چراغ
ترے خیال کے دم سے ترے گماں کے طفیل

بہت کیا بھی مگر کچھ نہیں ہوا ہم سے
خراب حال ہے سعیٔ رائگاں کے طفیل

یہ گفتگو ہے تو سُن اے ناصحِ ناداں
کہیں نہ بات رہیگی تری زباں کے طفیل

زمیں پہ نالۂ مفلس سے دھول اُڑتی ہے
فلک کا رنگ ہے فق آہِ بیکساں کے طفیل
ہر ایک اہلِ سخن دل ہے تیرا گرویدہ
نئی زمینِ غزل اور نئے بیاں کے طفیل

سب حسینانِ جہاں ہی ایسے کیا بھول گئے
اب تو یہ دن ہیں کہ عاشق بھی وفا بھول گئے

یہ پڑی بھول کہ سب تیرے سوا بھول گئے
خود کو ہم بھول گئے یادِ خدا بھول گئے

ذکرِ وعدہ پہ چلو یادِ خدا تو آئی
کہہ دیا یہ تو بتوں نے بہ خدا بھول گئے

تم کو دنیائے محبت میں نظر کیا آیا
کیوں وہ غمزے نہ لیے یاد ادا بھول گئے

چشمِ ساقی کے تصادم سے اُڑے ہوش ایسے
رِند سب نام مٹے ہوش رُبا بھول گئے

پیش کش ہی نہ رہی جب تو صلہ کیا دیتے
جب وفا بھول گئے ہم وہ جفا بھول گئے

بحرِ ہستی میں یہ گرداب کی دیکھو تو کشش
ہم چلے ایسے کہ ساحل کا پتہ بھول گئے

واہ رے یہ وطن اللہ رے غریب الوطنی
دیش میں دیش کی ہم آب و ہوا بھول گئے

دل لگی دیکھئے اے دل وہ ملے جب آکر
ہم وہ کہنے کے لئے دلمیں جو تھا بھول گئے

یہ بات نکلے گی کوئے بتاں سے میرے بعد
مرا فسانہ چلے گا یہاں سے میرے بعد

پسِ فنا یہ پرِ کاہ اُڑ نہ جائے گا
اُٹھائیں گے میری میّت کہاں سے میرے بعد

کہو کہو کہ نئی زندگی ہے میرے لئے
مرا بیان تمہاری زباں سے میرے بعد

کہاں ہمارا ٹھکانہ ہے اب کہاں جائیں
بلائیں پوچھتی ہیں آسماں سے میرے بعد

کوئی کسی پہ بھروسہ ہی اب نہیں کرتا
یقین دور ہوا ہے گماں سے میرے بعد

دُعا تمام ہوئی آہ میں اثر نہ رہا
کسی کا کام نہ نکلا فغاں سے میرے بعد

زمیں کا بوجھ تو دِل کم ہوا بُرا کیا ہے
غمِ زمانہ تو اُٹھا جہاں سے میرے بعد

منہ سے تو کوئی بات صنم بولتے نہیں
لیکن زبانِ حال سے کم بولتے نہیں

کچھ اب یہ سرگزشتِ حرم بولتے نہیں
ہم پوچھتے بھی ہیں تو صنم بولتے نہیں

بھٹکا ہوا تو شیخ بھی ہے برہمن بھی ہے
ہم جانتے ہیں دین دھرم بولتے نہیں

عیاریاں سمجھتے ہیں یاروں کی ہم! مگر
رکھنا ہے دوستی کا بھرم بولتے نہیں

اُڑ جاتے ہیں کوئی جو نکالے بھی تذکرہ
احسان کرکے اہلِ کرم بولتے نہیں

احباب ہو گئے ہیں کچھ اب ایسے ہم سے دُور
مِل بیٹھتے بھی ہیں تو باہم بولتے نہیں

ہے شیخِ محترم پہ تقدس نہیں تو کیا
کیا اہلِ دیں خدا کو صنم بولتے نہیں

یارانِ رفتہ کونسی دُھن میں نکل گئے
کیا پُوچھئے کہ نقشِ قدم بولتے نہیں
اب اور کیا کہو گے بہت کچھ تو کہہ چکے
اچّھی کہی کہ جائیے ہم بولتے نہیں
ہم دل کی بات دل ہی میں رکھتے ہیں اب تو دل
کھالی ہے بولنے کی قسم بولتے نہیں

○

دِل کیا جو تیری یاد میں ڈُوبا ہوا نہ ہو
لب کیا مُدام جس پہ تیرا تذکرہ نہ ہو

ممکن نہیں کہ زِیست کا مطلب سمجھ سکے
جب تک کہ راہِ عشق میں کوئی فنا نہ ہو

بے چین دیکھ کر مجھے کہتے ہیں زندہ باد
ڈرتا ہُوں میں کہ یہ بھی کوئی بد دُعا نہ ہو

چھوڑو بھی روزِ حشر یہ محشر خرامیاں
ڈر ہے ابھی سے کوئی قیامت بپا نہ ہو

نیکی تو خیر دُور کی اِک بات ہے! مگر
اِتنا تو کر جو حق میں کسی کے بُرا نہ ہو

مئے ہی نہیں وہ جو نہ ہو پُر کیف و پُر سرُور
وہ حُسن ہی نہیں جو وفا آشنا نہ ہو

دِل ہے وہ دِل کہ جس میں رہے درد کی کسک
اور درد ہے وہ درد کہ جس کی دوا نہ ہو

اُس رہ گزر سے چُن تو لئے پارہ ہائے دِل
اب دیکھتا یہ ہُوں کہ کوئی دیکھتا نہ ہو

غم چاہیئے کہ حُسنِ مسرّت عیاں رہے
ایسا نہ ہو تو زیست میں کوئی مزا نہ ہو

اے دِل جہانِ عشق میں چلتا نہیں ہے کام
جب تک یہاں وفا کے مقابل جفا نہ ہو

○

جس کو مرنا عشق میں آتا نہیں
آدمی وہ زندگی پاتا نہیں
عقل تک سامانِ ہوش آتا نہیں
خود نہ جو گُم ہو اُسے پاتا نہیں
میری منزل ہے جُدا، مسلک جُدا
میں روشِ دُنیا کی اپناتا نہیں
لے چلی طوفاں کی جانب دل کی موج
اب ہمیں ساحل نظر آتا نہیں
جستجوئے دوست کا ہے مجھ کو پاس
دُوریٔ منزل سے گھبراتا نہیں
ایسی گردش کی بھی کیا ہے زندگی
کیوں فلک کچھ کھا کے سو جاتا نہیں
دِل میں داغِ عشق کی ہے روشنی
یہ ستاروں سے ضیا پاتا نہیں

کون دِل پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ گیا
ہاتھ دِل سے میں اُٹھا پاتا نہیں
حُسن میں تحلیل ہو کر رہ گیا
دِل کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

نظر ملا کے نظر میں وہ مسکرا لیں گے
تبسّماتِ لبِ ناز میں چھپا لیں گے

مقامِ زیست کوئی جیتے جی بنا لیں گے
کبھی مریں گے تو ہم موت کو جلا لیں گے

کبھی تو حسن کے اس موجزن سمندر میں
ہم اپنی رُوح کی بھی تشنگی بجھا لیں گے

نہیں نہیں یہ زمانہ وفا شناس نہیں
کسی سے آپ محبت جتا کے کیا لیں گے

نہیں ہیں تنگیٔ دشتِ وجود سے بے بس
ہمیں بسانی ہے دُنیا کہیں بسا لیں گے

غمِ زمانہ، غمِ زندگی، غمِ اُلفت
سنبھل کے ایسے ہیں ہم دِل کو کیا سنبھالیں گے

جنابِ شیخ تُنک ظرف بھی تو نہیں ساقی!
یہ آج پی کے بھی کل کے لئے بچا لیں گے

ابھی زمیں کو ہمیں زیرِ دام لانا ہے
کبھی زمیں سے فلک پر کمند ڈالیں گے
لگا ہی دے گا ٹھکانے کہیں یہ لیجا کر
ہم اپنے جوشِ جنوں کا اب آسرا لیں گے
دُعا کو ہاتھ اٹھا کر بھی ہاتھ کیا آیا
دُعا سے ہاتھ ہی اے دل ہم اب اُٹھالیں گے

تقدیر کارساز کبھی ہے کبھی نہیں
دیدارِ مستِ ناز کبھی ہے کبھی نہیں

میں دل کو دے رہا ہوں قناعت کا بھی سبق
دستِ طلب دراز کبھی ہے کبھی نہیں

رہتے ہیں وہ ہمیں سے مخاطب بھی بزم میں
حاصل یہ امتیاز کبھی ہے کبھی نہیں

کیا مستقل علاجِ غمِ روزگار ہو
درمیکدے کا باز کبھی ہے کبھی نہیں

میں اس سے پُرامید بھی ہوں ناامید بھی
رسمِ وفا پہ ناز کبھی ہے کبھی نہیں

کچھ دن سے بدگمان بھی رہنے لگے ہیں وہ
دشمن سے سازباز کبھی ہے کبھی نہیں

دِل اب تو مَیں ہوں اور مرا ذوقِ نیاز ہے
گنجائشِ نماز کبھی ہے کبھی نہیں

میرے غم خانے میں ہے رقصِ اجل فُرقت کی رات
بن گئی ہے بزمِ عشرت کا بدل فُرقت کی رات

کرب سے بیداریٔ احساس پیدا ہو گئی
بڑھ گیا ہے جذبۂ حسنِ عمل فُرقت کی رات

بجھ رہے ہیں کس لئے پلکوں پہ اشکوں کے چراغ
کیا یہ اعلانِ سحر کا ہے بدل فُرقت کی رات

جل رہے ہیں داغِ دل، داغِ تمنا، داغِ غم
کس قدر نور آفریں ہے آج کل فُرقت کی رات

گردِ غم سے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا مجھے
جل چراغِ اشک جل، للّٰہ جل فُرقت کی رات

ہے مری جانِ حزیں پر کس بلا کی کھینچ تان
دیکھ مرگ و زیست کی جنگ و جدل فُرقت کی رات

سو نہ جائے موت کی نیند آدمی تو کیا کرے
جب کسی پہلو نہیں پڑتی ہو کل فُرقت کی رات

سرد سرد آہوں میں ہیں چنگاریاں جو شعلہ رُو
خاک کر دیں گی یہ خوابوں کے محل فُرقت کی رات
اوّل آخر اس میں اے دِل ہے سبھی رُوداد دِل
اِک بیانِ درد و غم کی ہے غزل فُرقت کی رات

○

بولے اگر کسی سے تو ترکِ ادب نہ کر
کر گفتگو ضرور مگر بے سبب نہ کر

اہلِ چمن نے جس میں لگا دی ہو کوئی شاخ
وہ شاخ آشیاں کے لئے منتخب نہ کر

جب مل چکا ہے تجھ کو دلِ دردآشنا
پھر کوئی چیز اور خدا سے طلب نہ کر

بے اختیار سوزِ محبت میں جل مگر
ظاہر کسی پہ سوزشِ دل کا سبب نہ کر

کر مشکلوں میں صبر قناعت کی شان رکھ
ہرگز دراز تو کبھی دستِ طلب نہ کر

غیروں کا کیا بھروسہ کہ پھر غیر غیر ہیں
اپنوں سے بدگمان نہ ہو ایسا غضب نہ کر

رہوارِ زندگی کی بگڑ جائے جس سے چال
اپنے چلن میں تو کبھی پیدا وہ ڈھب نہ کر

یُوں کوئی رُوٹھ جائے تو قسمت کی بات ہے
اپنی طرف سے تُو کبھی پیدا سبب نہ کر

یا میری زندگی بھی الٰہی! دراز ہو
یا اِس قدر دراز یہ فُرقت کی شب نہ کر

اپنا مُصیبتوں کو کہ راحت اِسی میں ہے
راحت میں کچھ دھرا نہیں راحت طلب نہ کر

اے دِل یہی تو عشق کا انجام ہے مُدام
ہرگز خیالِ زحمت و رنج و تعب نہ کر

جہاں کچھ امتیازِ جسم و جاں باقی نہیں رہتا
وہاں وہم و قیاسِ امتحاں باقی نہیں رہتا

جہاں وہ مسکرا کر دیکھ لیتے ہیں مری جانب
گلہ، شکوہ، شکایت کچھ وہاں باقی نہیں رہتا

محبت ہی محبت زندگی کا ماحصل جب ہے
تو پھر اندیشۂ سود و زیاں باقی نہیں رہتا

حجاباتِ تعیّن بے خبر جس وقت اٹھتے ہیں
کچھ احساسِ جبین و آستاں باقی نہیں رہتا

اسی کا نام ہے اہلِ چمن کی خود فراموشی
بہار آئے تو احساسِ خزاں باقی نہیں رہتا

میں جب بھی حسن کی رعنائیوں میں ڈوب جاتا ہوں
خیالِ نامرادی کا نشاں باقی نہیں رہتا

مری رخصت کا میری فکر میں سامان ہوتا ہے
تیرے آنے کا جب وہم و گماں باقی نہیں رہتا

بیان میکشی جب ساقئ کوثر تک آتا ہے
غم و آلام کا نام و نشاں باقی نہیں رہتا
سُنائی ہوتی ہے کب بیکسوں کی تیری دُنیا میں
کہاں فرقِ زمین و آسماں باقی نہیں رہتا
نظر بن جاتی ہے گردِ رہ غم اے دلِ محزُوں
اِن آنکھوں میں جب اشکوں کا نشاں باقی نہیں رہتا

غمِ اُلفت پسند آیا غمِ دوراں پسند آیا
جہانِ زندگی کو بھی عجب ساماں پسند آیا

سہارا ڈھونڈنے کا کب کوئی ساماں پسند آیا
ہماری زندگی طوفاں رہی طوفاں پسند آیا

ستم ہو یا کرم دونوں برابر ہیں محبت میں
بُتِ کافر ادا مجھ کو بہر عنواں پسند آیا

ارے بیدرد، اہلِ درد، درد اسکو نہیں کہتے
کہاں کا درد کیسا درد جو درماں پسند آیا

بنایا بے کسی نے بے گناہی کو خطا کاری
ہماری زندگی کو گوشۂ زنداں پسند آیا

مقدّر کا ستارہ اپنے چمکا اشکِ غم بن کر
زہے قسمت کہ اُن کو دیدۂ گریاں پسند آیا

نہ راس آیا گلستاں چاک دامانی کے ساماں کو
مجھے وحشت میں آخر دشت کا ساماں پسند آیا

یہ ایسی کیوں گُلِ نرگس سے رغبت ہوتی جاتی ہے
اُنہیں شاید کسی کا دیدۂ حیراں پسند آیا
خُدا کے گھر سے بھی کچھ واسطہ تو تھا مگر اے دِل
درِ خیرُ البشر مجھ کو بہر عنواں پسند آیا

○

ان کا اندازِ نظر یاد آیا !
ہوش کا وقتِ سفر یاد آیا

تجھ سے بیگانہ رہے عیش کے دن
ہاں مصیبت میں مگر یاد آیا

فق ہوئی جاتی ہے تیری صورت
کیا تجھے شمعِ سحر یاد آیا

چرخ چکر میں پڑا ہے مجھ سے
اس کو آہوں کا اثر یاد آیا

رات دن گائے ترانے تیرے
تو مجھے شام و سحر یاد آیا

خود فراموشی وحشت میں ہمیں
پاؤں یاد آئے نہ سر یاد آیا

رات اُس مست نگاہی میں کٹی
جامِ مے پچھلے پہر یاد آیا

دین و دُنیا سے اُٹھالیں نظریں
جس گھڑی آپ کا گھر یاد آیا
جیتے جی دل سے رہا دُور اے دِل
مر کے مَیں ان کو مگر یاد آیا

○

لطف و مہر غائبانہ دیکھئے ہو کر جدا
دوستوں کا دوستانہ دیکھئے ہو کر جُدا
کس کو راس آئے زمانہ دیکھئے ہو کر جُدا
کون ہو غم کا نشانہ دیکھئے ہو کر جُدا
جیسے گذرے گی ہماری تو گذر ہی جائے گی
آپ خود اپنا ٹھکانہ دیکھئے ہو کر جُدا
کھا لیا غم دوستوں کے ساتھ رہ کر تو بہت
کیا دکھائے آب و دانہ دیکھئے ہو کر جُدا
چلئے اپنوں میں تو اب ہوتا نہیں اپنا گزر
ڈھونڈیئے کوئی ٹھکانہ دیکھئے ہو کر جُدا
ساتھ میں اُن کے مصیبت بھی ہے کچھ راحت بھی ہے
کیا دکھاتا ہے زمانہ دیکھئے ہو کر جُدا
دل کہا جب میں نے اپنا گھر مجھے آتا ہے یاد
بولے وہ اچھا روانہ دیکھئے ہو کر جُدا.

کوئی دیوانہ بولے گا کوئی مستانہ بولے گا
مجھے تیری محبّت میں جہاں کیا کیا نہ بولے گا

ہر اک ذی ہوش عقل و ہوش سے بیگانہ بولے گا
دلِ وحشی! تجھے تو کوئی بھی اچھا نہ بولے گا

سمجھنا رِندگی بولی نہیں کچھ مے خانہ بولے گا
اگر شیشے سے ٹکرا کر کبھی پیمانہ بولے گا

دل دیوانہ دیوانہ سہی مطلب سمجھتا ہے
تم اس سے سیدھے بولوگے تو یہ اُلٹا نہ بولے گا

جنونِ عشق کو عقل و خرد سے واسطہ کیا ہے
جو بولے گا تو کیا اس باب میں فرزانہ بولے گا

حقیقت پوچھنے والے کہاں ہیں سوزِ باطن کی
زبانِ شمع سے تو آج بھی پروانہ بولے گا

نہ چھیڑ اس کو سکونِ زندگی اسکی ہے خاموشی
اُٹھے گا شورِ محشر، جب تیرا دیوانہ بولے گا

جہاں عاشقی نے کیسے کیسے گُل کھلائے ہیں
شہیدانِ وفا کا خُوں چکاں افسانہ بولے گا
ہماری جُبہ سائی کی شہادت جب طلب ہوگی
تو خُود منہ پھوڑ کر سنگِ درِ جانانہ بولے گا
ریاکاری بھری ہے شیخ میں بھی برہمن میں بھی
یہی کعبہ کہے گا اور یہی بُت خانہ بولے گا
نہ پُوچھو حال آخر وقت ہے بیمارِ اُلفت کا
نہیں معلوم بولے گا بھی کچھ اب یا نہ بولے گا
شکایت کس لئے کرتے ہو اسکو چھیڑتے کیوں ہو
یہ دل تو جب کبھی بولے گا بے باکانہ بولے گا

مائل بہ جفا حُسن نہیں ہے تو ہُوا کیا؟
یہ طرزِ تغافل بھی نہیں ایک جفا کیا؟
اُس نے جو مرا حال بھی پُوچھا تو ہوا کیا؟
ہو جاتی ہے یُوں دردِ محبّت کی دوا کیا؟
ساقی کی نظر کیا ہے مئے ہوش رُبا کیا؟
ساغر میں جو رندوں کو نہیں دی تو ہوا کیا؟
بُت خانے کا ہے عزم یہ رندوں کو ہُوا کیا؟
بُت خانے میں ملتی ہے مئے ہوش رُبا کیا؟
بنتی بھی ہے ہر روز بگڑتی بھی ہے ہر روز
دُنیا ہے یہ پروردۂ آغوشِ فنا کیا؟
ہر صبح قیامت مری ہر شام ہے آفت
اے عشق کیا تُو نے گرفتارِ بلا کیا؟
رندوں کے تصوّر میں بھی ہے عالمِ مستی
ساقی کا تصوّر ہے مئے ہوش رُبا کیا؟

کیا اور گناہوں پہ کہوں داورِ محشر
خود مجھ کو ندامت ہے کہ یہ مَیں نے کیا کیا؟

ہے جان سے جانا ہمیں اِتنی تو خبر ہے
کچھ اور بھی ہے دِل کے لگانے کی سزا کیا؟

رُسوا بھی ہوئے عشق میں صدمے بھی اُٹھائے
معلوم نہیں ہے ابھی تقدیر میں کیا کیا؟

مَیں کِس لئے واعظ نہیں حق دارِ کرم کا
جو تیرا خدا ہے وہ نہیں میرا خدا کیا؟

ہے ایک فریبِ نظر اِک موجِ ہوا ہے
انسان کی ہستی میں ہے اور اسکے سوا کیا؟

ہوتا ہے علاجِ غمِ گیتی کہیں اے دل
ملتی بھی ہے اس وہم کی دُنیا میں دوا کیا؟

نشاط خیز نظاروں کا ساتھ چھوڑ دیا
جو تم نہیں تو بہاروں کا ساتھ چھوڑ دیا

طلب گئی نہ شرابِ طہور کی اے شیخ
اگرچہ بادہ گساروں کا ساتھ چھوڑ دیا

نظر نہ تھی تو نظاروں کا شوق تھا ہم کو
نظر ملی تو نظاروں کا ساتھ چھوڑ دیا

کوئی غریب کا بنتا نہیں زمانے میں
ہر اک نے درد کے ماروں کا ساتھ چھوڑ دیا

ملا ہے جب سے دلِ درد آشنا مجھ کو
اِدھر اُدھر کے سہاروں کا ساتھ چھوڑ دیا

خدا کرے کہ اسے بھی سکوں نصیب نہ ہو
وہ جس نے ہجر کے ماروں کا ساتھ چھوڑ دیا

وہ ایک جانِ بہاراں ہوا ہے کیا رخصت
جنابِ دلؔ نے ہزاروں کا ساتھ چھوڑ دیا

تُو جو انسان کے دُکھ درد میں شامل ہوتا
کون اے حُسن ترا مدِّ مقابل ہوتا!
مے سے اِتنا تو نہ مسرور میرا دِل ہوتا
چشمِ ساقی کا تصوّر جو نہ حاصل ہوتا!
مَیں اگر حُسنِ تماشا کو سمجھتا بیکار
دید کا ایک تماشہ نہ مرا دِل ہوتا!
پھونک کر رکھ تو دیا خرمنِ ہستی اس نے
اور کیا سوزِ نہاں سے مجھے حاصل ہوتا
دل میں ہوتی جو نہ رقصاں تیری شوخی کی ادا
عالمِ وجد میں رقصاں نہ مرا دل ہوتا
ہو کے بے تاب نہ لیلا نکل آتی اے قیس
ذوقِ نظارہ اگر پردۂ محمل ہوتا!
ہم تو ساحل سے بھی کترا کے گذر ہی جاتے
صُورتِ موج اگر گرمِ سفر دِل ہوتا

خود بخود بڑھ کے قدم لینے کو منزل آتی
کوئی دیوانہ اگر رہبرِ منزل ہوتا
زندگی اپنی بھی آرام سے کٹ ہی جاتی
دل جو لذّت کشِ محرومیٔ حاصل ہوتا
جوشؔ و ناطقؔ نہ اگر سینچتے خونِ دِل سے
جاں فزا گلشنِ اُردو کا نہ حاصل ہوتا
دردمندانِ محبت کا نہیں یہ شیوہ
گلۂ دوست تو زیبا نہیں ابدلؔ ہوتا

دِل و جگر میں ہے اِک سوزِ ناتمام نیا
ہماری بزم میں چلتا ہے روز جام نیا
کسے خبر ہے سلامت رہے رہے نہ رہے
نئی زمین نیا آسماں نظام نیا
رگوں میں اُس کی نیا خُون کیوں نہ ہو رقصاں
غمِ حیات کو بخشا ہے میں نے جام نیا
بچا سکے تو بچا اپنے شیشۂ دِل کو
کہ یہ تو سنگِ حوادث کا ہے مقام نیا
گُلوں سے اس کو عداوت ہے پیار کانٹوں سے
زمانے میں ہے محبت کا یہ نظام نیا
سنبھل وطن کی بہاروں سے کھیلنے والے
جفا و جبر کا ہوتا ہے اِنتظام نیا

○

کیا پوچھتے ہو جوشِ جوانی کدھر گیا
اُٹھتا ہوا دھواں تھا فضا میں بکھر گیا

خنجر کی تشنگی جو بجھا کر گذر گیا
سچ تو یہ ہے جہاں میں بڑا کام کر گیا

جھونکا نسیمِ باغِ وطن کا جدھر گیا
سنگِ سیاہ رُو کا بھی چہرہ نکھر گیا

ٹھہری نہ دو گھڑی بھی چمن میں بہارِ حُسن
آئی خزاں تو موسمِ گُل ہائے مر گیا

اشکوں میں جب سے تیرے تبسّم کی ہے جھلک
خوش ہُوں کہ دردِ دل نہ سہی دردِ سر گیا

یہ تو خطا ہے جذبۂ بے اختیار کی
خنجر کا کیا قصُور جو دل میں اُتر گیا

جب ہر نفس خلوص و محبت کا تھا پیام
وہ دن گذر گئے وہ زمانہ گذر گیا

دل کی لگی بجھے گی نہ اے دل کسی طرح
اشکوں کا سلسلہ بھی بہت بے اثر گیا

وہ جن کا زندگی بھر ظلم فرمانا نہیں جاتا
وفا ہم سے کرینگے دوست! یہ ماننا نہیں جاتا

اندھیرے میں رُخِ انساں نظر آتا تو ہے لیکن
کسی کے رُخ سے دل کا حال پہچانا نہیں جاتا

بھی شبنم کی بُوندیں جو بظاہر بے حقیقت ہیں
باہم مل جائیں تو ان کا بھیجا جانا نہیں جاتا

قفس میں ہوں تو قدرِ آشیاں معلوم ہوتی ہے
قفس کا آشیاں سے حال پہچانا نہیں جاتا

نگاہوں سے میری وہ دُور ہوتے ہی گئے لیکن
تصوّر میں مرے اُن کا چلے آنا نہیں جاتا

ابھی تک صُورتِ حالات قابو میں نہیں شاید
نہ آ پہنچیں وہ میرے پاس یہ مانا نہیں جاتا

وہ کام آئے کسی کے یہ سراسر وہم ہے ایدلؔ
وہی اپنا پرایا جس سے پہچانا نہیں جاتا

کیا جانہیں دنیا میں اچھا کیوں اپنا مقدر ہو نہ سکا
محفل میں تیری ہم کو حاصل کیوں بادۂ احمر ہو نہ سکا

وہ ایک ہمیں چاہیں پھر بھی جنہیں شکوہ ہی نہیں کوئی تجھ سے
وہ کون سا جور ہے دنیا میں جو تجھ سے ہم پر ہو نہ سکا

جب نقش خودی کا مٹ نہ سکے اور پردہ دوئی کا اٹھ نہ سکے
کیوں ہجر نہ راحت افزا ہو جب وصل میسر ہو نہ سکا

اے دوست! یہ داغ الفت ہے اس داغ کی عظمت کیا کہیئے
اک پھول بھی سارے گلشن میں اس داغ کا ہمسر ہو نہ سکا

اس جذب و کشش کے پردے میں ہاں راز تو پنہاں ہے کوئی
جو تیر نظر دل میں اترا وہ دل سے باہر ہو نہ سکا

اے دوریٔ منزل کیوں تیرا مانگوں نہ سہارا رہ رہ کر
جب رہ روِ الفت کا کوئی دنیا میں راہبر ہو نہ سکا

ہر آن ستاتے ہو مجھ کو ہر لحظہ رلاتے ہو مجھ کو
کیا مجھ کو تمہارا شکوہ ہو جب بخت ہی یاور ہو نہ سکا

اللہ ری نقاہت ہجر کی شب اللہ ری کمزوری دل کی
اک بار جو نالہ کر گذرے وہ نالہ مکرر ہو نہ سکا

جلوۂ گل کو ترے ذوقِ نظر سے مطلب
اشکِ خونیں کو مرے دیدۂ تر سے مطلب

ساغرِ شب سے نہ کچھ جامِ سحر سے مطلب
میری مستی کو ہے ساقی کی نظر سے مطلب

واسطہ اب تو نہ باہر سے نہ گھر سے مطلب
شام سے ہم کو غرض ہے نہ سحر سے مطلب

جو نظر سازِ تمنّا کے لئے ہو مضراب
رکھتے ہیں اہلِ نظر ایسی نظر سے مطلب

اور ہی کچھ ہے ملاقات کا ان کی انداز
یہ وہ رُخ کب ہے نکلتا ہے جدھر سے مطلب

واسطہ دیر و حرم سے نہیں رکھا میں نے
اک فقط ہے بُتِ کافر ترے در سے مطلب

کھوئے کھوئے سے محبت میں رہا کرتے ہیں
گھر سے مطلب نہ ہمیں اپنی خبر سے مطلب

شبِ غم موت کی آغوش میں سو جاتے ہیں
ہم تو رکھتے ہی نہیں فکرِ سحر سے مطلب

تیرے کس کام کی ہے محفلِ اربابِ نشاط
اے دلِ سوختہ رکھ رقصِ شرر سے مطلب

غم و آلام کے دن رات ہیں اور محفلِ زیست
عیش کی شام نہ عشرت کی سحر سے مطلب

مژدۂ موسمِ گل اور تیری آمد کے بغیر
مہ جبیں ہم کو نہیں ایسی خبر سے مطلب

جان پر کھیلنے جاتے ہیں یہ جائے کہ رہے
اب تو اے دل ہمیں یکسر نہیں سر سے مطلب

جانِ بے تاب ہراساں کبھی ایسی تو نہ تھی
عافیت خوابِ پریشاں کبھی ایسی تو نہ تھی
وحشتِ عمرِ خراماں کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے یہ گریزاں کبھی ایسی تو نہ تھی
خاطرِ بستہ ہیں کلیاں تو ہیں گل جیبِ جنوں
صورتِ صحنِ گلستاں کبھی ایسی تو نہ تھی
اپنے سایہ سے بھی ڈرنے سے لگے ہیں اب تو
نظرِ راہ شناساں کبھی ایسی تو نہ تھی
زخمِ دل اب کے برس کیوں نہ کھلے بادِ صبا
دل شکن فصلِ بہاراں کبھی ایسی تو نہ تھی
جا رہا ہے نہیں معلوم کہاں لے کے شعور
ہم کو فکرِ سر و ساماں کبھی ایسی تو نہ تھی
کیوں یہ اسبابِ خوشی وجہِ ندامت اب ہیں
سرخوشی سر بگریباں کبھی ایسی تو نہ تھی

اب یہ ہے فکر میں ہم کو بھی بہا دینے کی
ہمتِ دیدۂ گریاں کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسی اب دیکھ کے سامانِ جنوں ہے ایدلؔ
عقل انگشت بدنداں کبھی ایسی تو نہ تھی

ہوش میں رہنا پسند آتا نہیں
مَیں نہ پینے کی قسم کھاتا نہیں

عشق ہی کی ہیں یہ سب بیتابیاں
حُسن تو آزار پہنچاتا نہیں

ہے بھنور میں کشتیٔ عُمرِ رواں
کیا کرُوں ساحل نظر آتا نہیں

اپنے بے گانے کا ہو جس کو خیال
اُس کو دیوانہ کہا جاتا نہیں

آیئے آ جایئے خنجر بکف
سر بکف مَیں بھی ہُوں گھبراتا نہیں

کر دکھاتی ہے وہ آہِ پُر اثر
تیغ سے جو کچھ کیا جاتا نہیں

پاؤں پھیلائے ہیں وحشت نے یہاں
ہم کو تھک کر بیٹھنا آتا نہیں

کھائے جاتا ہے غم دینا مجھے
اپنی بربادی کا غم کھاتا نہیں
تیر بن کر جو نہ دل میں چُبھ سکے
شعر وہ پھر شعر کہلاتا نہیں
دِل ملا ہے مجھ کو ایسا سخت جان
دورئ منزل سے گھبراتا نہیں

بتوں میں اب وہ کہاں برہمن کی بات رہی
یہاں بھی اک وہی باقی خدا کی ذات رہی
مرن نہیں تو پھر اس زندگی کو کیا کہیئے
کہ جو مدام رہی اور بے ثبات رہی
جفا کا سلسلہ دادِ جفا کے دم سے رہا
جو واہ واہ رہی ہے تو واہیات رہی
گلوں سے بغض و کدورت ہے پیار کانٹوں سے
یہ زندگی ہے تو کیا زندگی کی بات رہی
جنوں نوازشِ طفلاں سے نونہال رہا
ہمارے ساتھ جہاں ہم گئے برات رہی
جفائے ناز کی مشکل تو ہاں رہی لیکن
اسی سے کچھ کچھ مری تسکینِ مشکلات رہی

(۱)

اے ہم نشیں قفس میں نہ کر آشیاں کی بات
ظالم کہاں یہ تُو نے نکالی کہاں کی بات

ہے سرخوشی کی بات غمِ جاوداں کی بات
اب کون سوچتا رہے کون و مکاں کی بات

میں جانتا ہوُں یہ کہ غلط کار ہے جہاں
میری سمجھ سے دُور ہے اہلِ جہاں کی بات

ملتا ہے گفت گو ہی سے احباب کا مزاج
ہے امتحاں کی بات تو پھر امتحاں کی بات

ہیں خوبیاں تو اور زبانوں میں بھی مگر
اُردو زباں کی بات ہے اُردو زباں کی بات

ہے جستجوئے اہلِ وفا اس زمانے میں
کرتا ہے تُو یہ اے دلِ ناداں کہاں کی بات

پیری کی فکر عہدِ جوانی میں چاہیئے
اچھا ہے جو بہار میں سوچے خزاں کی بات

جو لوگ جانتے ہیں محبّت کا مُدعا
لاتے نہیں نظر میں وہ سُود و زیاں کی بات
ہونے لگے ہیں عشق و محبت کے تذکرے
اب تو پہنچ گئی ہے وہاں بھی یہاں کی بات
حضرت ابھی تو چُبھتے ہوئے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھو اب آئی جاتی ہے تیر و سنان کی بات
اے دل کہاں ہو تم یہ کہاں کا خیال ہے
قیدِ قفس میں اور گل و گلستاں کی بات

مَیں اس نیاز پہ اپنے ہوں ناز کرنے کو
بُلا رہے ہیں وہ عرضِ نیاز کرنے کو
کہو جنوں سے کچھ افشائے راز کرنے کو
عیاں حقیقتِ عشقِ مجاز کرنے کو
نگاہ دل سے رہی ساز باز کرنے کو
مِلا نہ وقت ہی عرضِ نیاز کرنے کو
بُتوں میں خاطرِ ناساز کی کہیں نہ جمی
پھرے تو ہم بھی بہت ساز باز کرنے کو
بلا سے اس کی بہار آئے یا خزاں گذرے
جنُوں نے چھوڑ دیا امتیاز کرنے کو
بیانِ رفعتِ دیر و حرم ہوا اس سے
سرِ نیاز رہا سرفراز کرنے کو
الٰہی چاک مری جیبِ امتیاز رہے
نگاہِ ناز کی شوخی پہ ناز کرنے کو

زہے نصیب ترا کشتۂ ادا ہونا
کشودِ راز کی ہمت دراز کرنے کو
تمہیں تو دیکھ کے پتھر کا دل بھی پگھلیگا
یہ تابِ حُسن سلامت گداز کرنے کو
دُرونِ سینہ تب و تابِ شوق پیدا کر
مجاز و اصل میں دِل امتیاز کرنے کو

○

تُو گیا جب تو کسے ہوش رہا تیرے بعد
مَیں مصیبت سے ہم آغوش رہا تیرے بعد
ہوش میں رہ کے بھی بیہوش رہا تیرے بعد
میں کہاں عہد فراموش رہا تیرے بعد
تُو گیا بزم سے اُٹھ کر تو عجب بھُول پڑی
دوست کو دوست فراموش رہا تیرے بعد
موجۂ برق کی صورت یہ رہا ہے دِل میں
کب تصوّر تیرا روپوش رہا تیرے بعد
دمِ رخصت جو کیا ضبط تو اندر لگی آگ
داغِ دِل شعلۂ خاموش رہا تیرے بعد
ہجر کی حالتِ بے تابیٔ دل کیا کہیئے
ہر نفس حشر در آغوش رہا تیرے بعد
تُو رہا دُور تو اربابِ ہوس بھُول گئے
وہ محبّت کا کہاں ہوش رہا تیرے بعد

زندگی تُو نے جو چھوڑا تو چھٹے سب ہم سے
اب یہاں کون وفا کوش رہا تیرے بعد
کیا کہوں حالت مے خوار رہی کیا ساقی
سرد خود بادۂ سرجوش رہا تیرے بعد
یادِ ماضی میں بُری طرح کٹے ہجر کے دن
دل غمِ دوش سے ہم دوش رہا تیرے بعد
کسی نے دِل زُلفِ تمنّا کو سنوارا آکر
ایک حیرت کدۂ ہوش رہا تیرے بعد

○

موت اگر ہے عشق کا انجام غم کیا کیجئے
زندہ ہو جائیگا مر کر نام غم کیا کیجئے
خود ہوا ہونگے غم و آلام غم کیا کیجئے
کیجئے تحریکِ دورِ جام غم کیا کیجئے
پی خوشی سے دِل فنا کا جام غم کیا کیجئے
کیجئے یہ کارِ خوش انجام غم کیا کیجئے
گرد اگر ہے گردشِ ایام غم کیا کیجئے
راستے پر ہے جو دَورِ جام غم کیا کیجئے
فکر ہستی کی ارے غافل ہے پستی کا خیال
ذوقِ سرمستی ہے اب تو عام غم کیا کیجئے
بے خبر! ہنگامۂ ہستی اسی کا نام ہے
غم ہی غم ہے جب بہر ہنگام غم کیا کیجئے
حسن والوں میں بھی آئے گا کبھی چرچا ترا
ہو تو لے رُسوا دلِ ناکام غم کیا کیجئے

عشق کی ناکامیاں ہیں کامیابی کی دلیل
ہے اگر ناکامیوں سے کام غم کیا کیجئے

اُن کے ہونٹوں کا تبسّم ان نگاہوں کا سرُور
ہو چلا ہے اب شریکِ جام غم کیا کیجئے

کیا بگاڑے گی ہمارا گردشِ ایّامِ دِل
ہو چکے ہیں خُوگرِ آلامِ غم کیا کیجئے

○

تسکینِ غم بہ دیدۂ گریاں غلط غلط
بے سوزِ عشق گھر میں چراغاں غلط غلط

ہو دُور کاہشِ غمِ پنہاں غلط غلط
فکرِ علاجِ دردِ فراواں غلط غلط

ساحل کا جا کے لیجئے احساں غلط غلط
چھُٹ جائے ہم سے دامنِ طوفاں غلط غلط

اہلِ جفا جفا سے پریشان جھُوٹ جھوٹ
اہلِ وفا وفا سے پشیماں غلط غلط

ٹوٹا کریں ہزار مصائب کی بجلیاں
تھامُوں کسی کا دامنِ احساں غلط غلط

بے حسن دیکھیئے تو زمانے میں کچھ نہیں
بے رسمِ عشق رونقِ امکاں غلط غلط

جب تک بڑھے نہ گردشِ جام و سبُو کا زور
رُک جائے گی یہ گردشِ دوراں غلط غلط

کنجِ قفس میں لاکھ بہاریں ہوں جلوہ گر
تڑپائے گی نہ یادِ گلستاں غلط غلط

جب تک نہ اس کی مست نگاہی کا فیض ہو
تسکینِ بادہ کش کسی عنواں غلط غلط

ہے بزمِ زندگی کی یہ لعنت نہیں تو کیا
ہم اور زحمتِ سر و ساماں غلط غلط

رکھتا نہیں جو موج و تلاطم سے چھیڑ چھاڑ
دل موڑ دے گا وہ رُخِ طوفاں غلط غلط

نغمہ سوز موج زن بحرِ سرور موج زن
ایک جہانِ کیف ہے دل کے حضور موج زن

ہے جو خیالِ حسن سے حسنِ شعور موجزن
بزمِ خیال میں ہے اب عالمِ نور موج زن

اشکوں سے کائناتِ عشق ہو کے رہیگی لالہ زار
گریۂ غم کا ذوق رکھ دل میں ضرور موج زن

آتشِ شوق اب تو کچھ دل میں بجھی بجھی سی ہے
ہے جو تبسمِ حیات دور ہی دور موج زن

سوز و گداز عشق سے دشتِ وجود سبزہ زار
شدتِ درد کے طفیل دل میں سرور موج زن

غرقِ تجربات ہیں قلب و نظر کی وسعتیں
ہے جو مرے خیال میں شعلۂ طور موج زن

بہہ کے رہیں گے خار و خس ہیں جو خیالِ خام کے
چار دن اور اگر رہے طبعِ غیور موج زن

آئے گی بھی تو کون سی اور قیامت آئیگی
شورشِ زندگی میں ہے شورِ نشور موج زن

نقش و نگارِ شوق سے زورِ خیالِ حُسن سے
ہیں کئی آفتابِ حُسن دل کے حضُور مَوج زن

ایک اندھیری زندگی اہلِ خرد کو ہے نصیب
اہلِ جنُوں کے سامنے زیست کا نُور موج زن

اُن کے وہاں تو شام بھی آتی ہے بن کے صبحِ نو
دن کو بھی رات کا سماں میرے حضُور موج زن

فاع فعُول و فاعلن اور بیانِ غم کی دُھن
میرے خیال میں ہیں اب غم کی بحُور موج زن

کیجئے کیا سمجھ کی بات نہیں کسی آدمی کے ساتھ
اب ہے جہاں عقل کا زورِ فطُور موج زن

گردش کا زمانہ دیکھا ہے گردش میں زمانہ دیکھا ہے
گردش کو بھی میں نے تو اے دل گردش کا نشانہ دیکھا ہے

اُس تیرِ نظر کا جس دن سے اس دل کو نشانہ دیکھا ہے
ہر تارِ رگِ جاں پر چھیڑتا الفت کا ترانہ دیکھا ہے

گرتوں کو اٹھاتی تھی دُنیا گرتوں کو گراتی ہے دُنیا
اک یہ بھی زمانہ ہے دیکھو! اک وہ بھی زمانہ دیکھا ہے

یہ گھر کی مصیبت ہے گھر میں کیا تیرِ جفا کا ذکر کریں
خود اپنی تمنّا کا ہم نے تو دِل کو نشانہ دیکھا ہے

اے برق اِس آہِ سوزاں کا گھر پھونک تماشہ دیکھ لیا
ٹھیک اپنے نشیمن پر ہم نے شعلوں کا ٹھکانہ دیکھا ہے

جب ہم دُنیا سے بچ کے چلے پامال نظر آئی دُنیا
اس چال سے اپنے پاؤں کی ٹھوکر میں زمانہ دیکھا ہے

دیکھا تو الگ ہو جاتے ہیں گُل پڑ کر دامنِ گلچیں میں
گلشن میں تو خار و گل دونوں کو شانہ بشانہ دیکھا ہے

ساحل سے اُسے کیا کام رہا ساحل کی طرف وہ کیوں دیکھے
گرداب کے چکر میں جس نے رہنے کا ٹھکانہ دیکھا ہے
اس مرگ محبت کا کیسا انجام مبارک ہے اے دل
ہر اک زباں پر ہم نے تو تیرا ہی فسانہ دیکھا ہے

○

نازِ ہوں یا ترے انداز نہ جینے دیں گے
یہ کسی کو بُتِ طناز نہ جینے دیں گے
شبِ غم کے یہ تجھے ناز نہ جینے دیں گے
چاندنی رات کے انداز نہ جینے دیں گے
یہ نگاہِ غلط انداز نہ جینے دے گی
ہم کو ظالم ترے انداز نہ جینے دیں گے
چارۂ کار نہیں اب ہمیں مرنے کے سوا
کوئی کہتا ہے با آواز نہ جینے دیں گے
تابکے لب پہ خموشی کا رہے گا پہرہ
ضبط کے ہم کو یہ انداز نہ جینے دیں گے
لے مریں گے کہیں لے جا کے اسے بھی یہ لوگ
زندگی کو ترے جانباز نہ جینے دیں گے
مر کے رہ جائیں گے ہم عشقِ بتاں میں یارب!
ان کے غمزے ترے اغماز نہ جینے دیں گے

مار ڈالیں گے یہ دو وڑا کے زمانے بھر کو
ظالم ایام سبک تاز نہ جینے دیں گے

جان لے لینے کے درپہ ہے نوازش اُنکی
اب تو مجھ کو مرے ہم راز نہ جلنے دیں گے

چاہ ہے اہلِ جفا کی تو یہ کیا ہے اے دل
کھُل گیا اُن پہ اگر راز نہ جینے دیں گے

○

میں اپنے شوق کے دیوانہ پن سے ڈرتا ہوں
ادائے ناز تیرے سنگٹھن سے ڈرتا ہوں

میں کب اذیتِ دار و رسن سے ڈرتا ہوں
نظر فریبیٔ حسنِ چمن سے ڈرتا ہوں

کلی کلی کے چٹکنے کی آرزو ہے تو
درازدستیٔ اہلِ چمن سے ڈرتا ہوں

کسی کے جاہ و حشم کی مجھے نہیں پروا
ضرور آہِ غریب الوطن سے ڈرتا ہوں

پہنچ تو جاؤں کسی طرح اُن کی محفل میں
مگر تکلّفِ ہمّت شکن سے ڈرتا ہوں

اسی لگی سے لگائی بجھائی ہوتی ہے
اسی لئے تو میں دل کی لگن سے ڈرتا ہوں

سلام اور مرا دُور سے سلام اِسے
میں عقل و ہوش کے دار المحن سے ڈرتا ہوں

پسند اب مجھے غربت کی کس مپرسی ہے
بہت نوازشِ اہلِ چمن سے ڈرتا ہوں

نظر اٹھا کے وہ دیکھیں یہ شوق ہے تو ضرور
نگاہِ ناز کے نشتر زدن سے ڈرتا ہوں

نگاہِ ساقیٔ بدمست شیخ ارے توبہ
میں اس کی فطرتِ توبہ شکن سے ڈرتا ہوں

سخن نواز ہوں لکھتا ہوں سوچ کر اے تسلؔ
سخن طراز ہوں اہلِ سخن سے ڈرتا ہوں

لاکھ سر پر گردشِ ایام لہراتی رہی

کائناتِ دل شریکِ جام لہراتی رہی

جذبۂ شوقِ شہادت بلیوں اُچھلا کیا

سر پہ جب تک تیغ خون آشام لہراتی رہی

رہنے والے کٹتے رہے زندانِ میکش تشنہ کام

جامِ ساقی میں مئے گل فام لہراتی رہی

شامِ غم ہم آرزوئے صبح میں تڑپا کئے

صبحدم دل میں اُمیدِ شام لہراتی رہی

ہم سے پوچھو ہے بہارِ زندگی جو زندگی

بے نیازِ راحت و آلام لہراتی رہی

دیکھ کر تیری جفا کو آکے بھی میری قضا

رہ گئی خود لرزہ بر اندام لہراتی رہی

حُسن کی رعنائیاں جذب ہو کر رہ گئیں

زندگی بے گانۂ انجام لہراتی رہی

تیرہ بختانِ محبت کی سحر کیا شام کیا
اُن کی دُنیا تھی جنوں ہنگام لہراتی رہی
اے جنوں تیرے کرم سے رات دن شام و سحر
کائناتِ دل بہ زیرِ دام لہراتی رہی

رنگ میں رنگ ملانے کو شفق تک پہنچے
یہ تو حق ہے مئے گل گوں کا یہ حق تک پہنچے

اُن کے چہرے سے سرِ شام جو اُٹھ جائے نقاب
جلوۂ عارضِ گل رنگ شفق تک پہنچے

دین و دُنیا کی طرف اب نہیں اُٹھتی نظریں
مکتبِ عشق میں ہم ایسے سبق تک پہنچے

فکر جس کی ہے گرفتارِ فریبِ دُنیا
کس طرح اُس کی نظر جلوۂ حق تک پہنچے

مجھ سے یُوں ہو کے خفا آپ نہ پچھتائیں کہیں
دیکھئے رنجشِ بے جا نہ قلق تک پہنچے

رکھ دیا آتشِ اُلفت کو بجھا کر تم نے
اب تو مشکل ہے کہ یہ صدا رمق تک پہنچے

جس طرف دیکھتے ہیں زندگی لہراتی ہے
جب سے آلام کے ہم نظم و نسق تک پہنچے

زندگی کی تو اُلٹتے ہی رہے روز کتاب
ہم نہ اے دل کسی مطلب کے ورق تک پہنچے

○

مجھ پہ اب قہر کی نگاہ تو ہے
یہ بھی اندازِ رسم و راہ تو ہے

بجھ گئے ہیں چراغِ راہ تو کیا
آس بھی اک چراغِ راہ تو ہے

جو اٹھاتی ہے سینکڑوں فتنے
وہ ستمگر تیری نگاہ تو ہے

کوئی کعبہ ہو یا ہو بُت خانہ
پھوٹ کی ایک درسگاہ تو ہے

کھا رہا ہوں قدم قدم پہ فریب
ساری دُنیا فریب گاہ تو ہے

اس قدر بھی نہ دیجئے الزام
مفلسی بدتریں گناہ تو ہے

تیرے بندوں سے پیار کرتا ہوں
یہ بھی اک بندگی کی راہ تو ہے

آزمائیں گے ہم بھی تابِ نظر
تابشِ حُسن بے پناہ تو ہے

کٹ ہی جائیگی زندگی اپنی
دل میں ہر وقت اُن کی چاہ تو ہے

نہ سہی رسم و راہ دُنیا سے
میری کچھ اُن سے رسم و راہ تو ہے

راس تجھ کو نہیں نہ ہو اے دِل
ورنہ جمہور خوش نگاہ تو ہے

جہاں میں آلام سے فراغت کسے ملی ہے کسے ملیگی
ہزار ڈھونڈیں مگر مسرّت کسے ملی ہے کسے ملیگی
بھنور میں امن و امان کی صورت کسے ملی ہے کسے ملیگی
کشاکشِ زندگی میں راحت کسے ملی ہے کسے ملیگی
کلی پہ جوبن بھی لاکھ آئے گلوں پہ سَو سَو نکھار آئے
نگاہِ اہلِ ہوس سے راحت کسے ملی ہے کسے ملیگی
بہارِ عیش و نشاط لوٹیں خوشی کے نغمات گائیں لیکن
بذیرِ چرخِ کہن یہ مہلت کسے ملی ہے کسے ملیگی
شبِ الم کاٹتا ہوں اکثر بڑی خوشی اور حوصلے سے
جو یوں نہ ہو تو گزرہ کی صورت کسے ملی ہے کسے ملیگی
عدو کے گھر میں سدا ہو ماتم ہو گھر میں اپنے مدام شادی
جہاں میں ایسی دلی مسرّت کسے ملی ہے کسے ملیگی
بہت ہی مشکل ہے اس جہاں میں قفس سے آزاد رہ کے جینا
بجز قفس کے گذر کی صورت کسے ملی ہے کسے ملیگی

کہے گا کون حکایت کسی کی میرے بعد
کہاں حدیثِ محبت کسی کی میرے بعد

نہ اب وہ پہلی سی شوخی نہ وہ ادائیں ہیں
حیا نے بدلی طبیعت کسی کی میرے بعد

یگانگی گئی بے گانگی کے دن آئے
کسی نے دیکھی نہ صورت کسی کی میرے بعد

میرے مزار پہ گھی کے دیئے جلاتا ہے
یہ دیکھیے تو عداوت کسی کی میرے بعد

یہ آہ و زاری کا تانتا یہ نالہ و شیون
کھلی ہے آ کے محبت کسی کی میرے بعد

جفا خیالِ وفا کر کے اشکبار ہوئی
جھکی نگاہ ندامت کسی کی میرے بعد

ہے کون اپنا زمانے میں کون بیگانہ
کھلی ہے آ کے حقیقت کسی کی میرے بعد

میرا خیال ہے ان کا زہے خیال ایدل
کسی کا حق نہ حقیقت کسی کی میرے بعد

○

نہ پوچھ نالۂ شب گیر کا اثر کیا ہے
مجھے بتا کہ یہ ہلچل اِدھر اُدھر کیا ہے

زمین کو جو یہ ہے زلزلہ تو آخر کیوں
نہیں جو آہِ فلک سوز کا اثر کیا ہے

میری نظر میں برابر ہیں درخورِ اُلفت
نگاہِ قہر ہے کیا لُطف کی نظر کیا ہے

گناہ گار ہیں درکار شانِ رحمت کو
جنابِ شیخ کہاں ہیں انہیں خبر کیا ہے

تمہارے عارض و گیسو نظر میں رہتے ہیں
ہماری اس کے سوا شام کیا سحر کیا ہے

جفائے دہر ہے کیا آپ کے ستم کیا ہیں
میں جان دینے کو پھرتا ہوں مجھکو ڈر کیا ہے

یہ ایک موج ہوا ہے یہ ایک تابشِ برق
پھر اور اس کے سوا ہستیٔ بشر کیا ہے

شبِ فراق کا اندھیرا ارے معاذ اللہ!
ہم آج یہ بھی سمجھتے نہیں سحر کیا ہے
بلا سے جانِ وفا ہے تمہاری بیخبری
خبر یہ لے گی کہاں تک تمہیں خبر کیا ہے
ہماری عرضِ تمنّا پہ ہاں کہو کہ نہیں
تم آج صاف کرو بات اگر مگر کیا ہے
دلاؤ یاد اب اے دل نہ آشیانے کی
قفس نصیب کی خاطر یہ دردِ سر کیا ہے

بے خودیِ عشق پہ جب تک اثر انداز نہ ہو

دل کی آواز سے پیدا تری آواز نہ ہو

بے وفائی نہ کرے یہ کہیں دم باز نہ ہو

اس قدر حسن پہ نازاں بتِ طناز نہ ہو

گاہ گاہ ایسی نگاہِ غلط انداز نہ ہو

غمزہ ہی غمزہ ہو اے حسن اب اعجاز نہ ہو

دم بھرا جس کا وہ دم باز ہی نکلا آخر

ہمیں پروا نہیں اب دم بھی جو دم ساز نہ ہو

'خلد' ہر بزم میں واعظ لئے پھرتا ہے جسے

ان بتوں ہی کی کہیں جلوہ گہہ ناز نہ ہو

عیش کیا کیجیے عیش اپنے مقدر میں کہاں

یہ نئی ہی کسی افتاد کا آغاز نہ ہو

چاہ رکھ اُس کی کہ ملنا ہی نہ چاہے دنیا

واہ واہ لے کہ رہ و رسم کا آغاز نہ ہو

مغفرت آپ ہے سامانِ گنہ گاریٔ عشق
باز کیوں آئے درِ توبہ اگر باز نہ ہو

ہو وہ کیا محرمِ اسرارِ حیاتِ اَبدی
جس میں سرمستیٔ منصورؔ کا انداز نہ ہو

دامِ اُلفت سے نکل جائینگے صیاد کے کیا
ہے برابر ہمیں ہو یا پرِ پرواز نہ ہو

اے دلؔ اس طعنۂ احباب کی لعنت کبتک
چل جہاں ایک بھی پہچان کی آواز نہ ہو

ہزار شکر کہ برباد ہو گیا ہوں میں
تفکّرات سے آزاد ہو گیا ہوں میں

وہ مسکرا کے کچھ ایسی نگاہ ڈال گئے
شگفتہ گُل کی طرح شاد ہو گیا ہوں میں

قضا بھی اب تو لرزتی ہے دیکھ کر مجھ کو
جوابِ خنجرِ جلّاد ہو گیا ہوں میں

وہ میرے دامِ تصوّر میں آئے ہیں جب سے
سمجھ رہا ہوں کہ صیاد ہو گیا ہوں میں

بہار آئے نہ آئے مجھے ہے کیا مطلب
تری نگاہ میں آباد ہو گیا ہوں میں

میں اپنا آپ سہارا ہوں اے دلِ ناداں
غلط کہ طالبِ امداد ہو گیا ہوں میں

تمہارے کوچے میں مٹ کر گماں یہ ہوتا ہے
کسی بہشت میں آباد ہو گیا ہوں میں

دیکھ یہ طرزِ نظر اچھا نہیں
امتیازِ خیر و شر اچھا نہیں

عیب جوئی کا ہنر اچھا نہیں
تنگ دامانِ نظر اچھا نہیں

دین داری شیخ جی اچھی مگر
کافری سے بھی حذر اچھا نہیں

اس کے اندازِ نظر پہ خاک ڈال
جس کا اندازِ نظر اچھا نہیں

خلوت آرائے محبت کے لئے
جلوۂ رنگ سحر اچھا نہیں

کس لئے پھر اس کو اپناتے ہیں لوگ
عشق کا انجام گر اچھا نہیں

بے خبر سامانِ رحمت ہے یہی
یہ نہ کہہ دامانِ تر اچھا نہیں

کام کے ہیں لوگ اے شیخِ حرم
دیکھ رندوں سے حذر اچھا نہیں

اشک بہہ جانے بھی دے اے چشم تر
نوک مژگاں پر ٹھہرا اچھا نہیں

دوستی اچھی تو ہوتی ہے ضرور
دوست کوئی بھی مگر اچھا نہیں

دل میں روشن کر محبت کے چراغ
دیکھ یہ تاریک گھر اچھا نہیں

غیر بھی کام آ تو جاتے ہیں کبھی
غیر پر تکیہ مگر اچھا نہیں

چھوڑ اے دل ترک اُلفت کا خیال
سوچنا اس وضع پر اچھا نہیں

بشرِ خودی کا وہی رازداں نکلتا ہے
جو بے نیازِ بہار و خزاں نکلتا ہے

کبھی جو قلبِ طپاں سے دھواں نکلتا ہے
یہ دیکھتا ہوں کہ شعلہ فشاں نکلتا ہے

ہمیشہ رہتا ہے نِکلا ہوا سادم اس کا
جو مبتلائے غمِ دو جہاں نکلتا ہے

جفائے ناز کی برداشت ہو نہ جس دل میں
وہ کب فدائے حُسنِ بُتاں نکلتا ہے

کھٹک رہا ہے جو کانٹا دلِ حزیں میں مرے
بغیر تیرے نکالے کہاں نکلتا ہے

بنائیے تو قفس کو بھی گھر بنا لیجے
نکالیے تو یہیں آشیاں نکلتا ہے

نصیب بحرِ وفا میں ہو جس کو غرقابی
وہ لیکے دولتِ کون و مکاں نکلتا ہے

جہاں عناد و حسد بغض کی گھٹائیں ہوں
وہاں حیات کا سورج کہاں نکلتا ہے
ہمارے دل سے جو قیدِ قفس میں اٹھا تھا
وہ آشیانے سے ابتک دھواں نکلتا ہے
کسی سے حالِ دلِ زار کس طرح کہیئے
فریب کار ہر اک راز داں نکلتا ہے
میرے بیان میں ہے شعریت کی شان ازل
ہر اک حرف مرا نغمہ خواں نکلتا ہے

○

وہ حسنِ جاں نواز اگر دل نشیں نہ ہو
باغِ جہاں میں بوئے وفا بھی کہیں نہ ہو
وہ دل ہی پھوٹ جائے تو اچھا ہے اے فلک
جس کو ترے کرم کا ذرا بھی یقین نہ ہو
جس کی تلاش ہے تجھے گلشن کے پھول میں
میرے ہی دل کا داغِ تمنّا کہیں نہ ہو
میرے جنونِ عشق کو تسکین نہ مل سکے
رنگِ عتاب اُن کا اگر دل نشین نہ ہو
رقصاں ہے میری آنکھ میں جسکی ادائے شوخ
گلشن کی ہر کلی میں وہی نازنین نہ ہو
رنگِ سحر میں تھی جو ترے حُسن کی جھلک
پھر شام بھی تو ہجر کی شامِ حزیں نہ ہو
جس رشکِ گُل کی مجھ کو ہے دن رات جستجو
پھُولوں سے پُوچھتا ہوں وہ پنہاں یہیں نہ ہو
ہاں وہ قرار جس میں نہ ہو بے قراریاں
اے دِل خدا کرے وہ جہاں میں کہیں نہ ہو

○

قسمت پہ ہم کو ناز کبھی ہے کبھی نہیں
اللہ کارساز کبھی ہے کبھی نہیں

رندی کا ادعا نہ ہمیں زہد پر ہے ناز
پینے سے احتراز کبھی ہے کبھی نہیں

ہے بھی نہیں بھی ہم کو زمانے پہ اعتبار
دُنیا سے ساز باز کبھی ہے کبھی نہیں

ہوتا ہے ایک اشک میں بھی کارِ غم تمام
یہ سلسلہ دراز کبھی ہے کبھی نہیں

پنہاں بھی ہو کے رہتی ہے یہ آشکار بھی
اُلفت بھی ایک راز کبھی ہے کبھی نہیں

مشکل ہے آدمی کی طبیعت کا جائزہ
یہ محوِ حرص و آز کبھی ہے کبھی نہیں

رہتے ہیں غم سے ہم تو ہمیشہ ہی بے نیاز
دل ہے کہ بے نیاز کبھی ہے کبھی نہیں

○

انجم سے واسطہ ہے نہ شمش و قمر سے عشق
ہے تجھ سے عشق مجھ کو ترے سنگِ در سے عشق
ہے تجھ سے عشق ماہ جبیں! تیرے گھر سے عشق
جاؤں کہاں کہ ہے مجھے دیوار و در سے عشق
مضراب کا جو سازِ تمنّا پہ کام دے
اہلِ نظر کو چاہیئے ایسی نظر سے عشق
رہتی نہیں ہے غرض درم و دام کی انہیں
ہوتا ہے اہلِ دل کو تو داغِ جگر سے عشق
محبوب ہے مجھے تو ترے رہ گذر کی خاک
خواہش ہے سیم و زر کی نہ لعل و گہر سے عشق
جس کے اثر سے زخمِ جگر ہیں سدا بہار
کیوں مجھ کو ہو نہ اس ترے تیرِ نظر سے عشق
میری نگاہ میں ہے محبت کدہ جہان
ہے جب سے تیری چشمِ محبت اثر سے عشق

نفرت سے التفات کا دیتے ہو تم جواب
کیسا یہ ظلم ہے کہ محبت کو ڈر سے عشق

کوشش تو ہاں ضرور ہے اخفائے راز کی
میں اس کو کیا کروں کہ جو صورت برسے عشق

جب کائناتِ عشق اِسی سے ہے لالہ زار
کیا کم کریں گے اشک میری چشم تر سے عشق

دن رات گھومتا ہوں بے سود الئے ہوئے
آوارہ گرد ہوں مجھے ہے رہگذر سے عشق

ایسا یہ بھوت ہے جو نکلتا نہیں کبھی
سر پڑ گیا ہے جب تو نہ اُتریگا سر سے عشق

جا کر کہاں بنا تو گلے باندھ لی بلا
اے خانماں خراب یہ آیا کدھر سے عشق

اہلِ ہوس کے واسطے اے دل بڑی ہے بات
رہ جائے شام تک بھی جو باقی سحر سے عشق

○

آپ نے چھوڑا ابھی کوئی امتحاں فرمایئے
آپ کو کس مُنہ سے کہہ دوں مہرباں فرمایئے

حکم ہے تو کہہ سناتا ہوں میں اپنے دل کا حال
سُن سکیں گے آپ کیا یہ داستاں فرمایئے

جب بدلنے کو نہیں آمادہ انساں اپنی چال
کیوں روش بدلے گا اپنی آسماں فرمایئے

ہم سے مطلب تھا اُنہیں جب ہم ہیں اور قیدِ قفس
صحنِ گلشن میں گریں کیوں بجلیاں فرمایئے

زندگی کا اور کتنا رہ گیا باقی سفر
کونسی منزل میں ہے اب کارواں فرمایئے

کیوں نہ دیں واعظ کی اس گفتارِ بیجا کا جواب
ہم نہیں رکھتے ہیں کیا مُنہ میں زباں فرمایئے

ہم کہے جاتے ہیں اپنی بُت بنے بیٹھے ہیں آپ
آپ بھی اپنی زباں سے کچھ تو ہاں فرمایئے

کھائی ہیں اِک اِک قدم پر مَیں نے سو سو ٹھوکریں
کونسی منزل ہے یہ مَیں ہُوں کہاں فرمائیے

جی میں ہے پُوچھوں کسی دِن یہ جنابِ خضر سے
راس کچھ آئی بھی عمرِ جاوداں فرمائیے

جب اسیرِ دام ہوں سب ہم نوایانِ چمن
لُطف کیا دے گی بہارِ گُلستاں فرمائیے

ہر کوئی ویسے تو ہو گا محرمِ آدابِ عشق
ہے کوئی میرے جنوں کا رازداں فرمائیے

حضرتِ دِل ہر کسی سے تذکرہ اچھا نہیں
رازِ اُلفت کون کرتا ہے عیاں فرمائیے

جدھر دیکھا ہوئی نازل تباہی
قیامت ہے تری جادو نگاہی

ہمارا تو مقدر ہو گئی ہے
تیرے تیرِ ستم کی بے پناہی

تمہارا خوف ہے محشر میں سب کو
یہاں اب کون دے میری گواہی

میری تو زندگی ہے ساغرِ مے
نہ کر اے شیخ تو اس کی مناہی

اسے بھی خاص احساں میں کہونگا
وفا آتی نہیں تو کر جفا ہی

کلی پژمردہ دل کی کیا کھلے گی
نہ چھیڑ اس کو نسیمِ صبح گاہی

محبت کی ابھی تو ابتدا ہے
نتیجہ کیا ہو یہ جانے خدا ہی

قضا دونوں کا یکساں جانتی ہے
گدائی ہو کہ اس میں پادشاہی
کہوں تاریکئ راہ طلب کیا
یہاں کوئی نہ رہبر ہے نہ راہی

○

چھوٹے خون کے دھارے چھوٹے
پھوٹے دل کے چھالے پھوٹے

حسن کی معصومی سے پوچھو
کتنے گھرانے دل کے لوٹے

عشق نے سب کو جانچا پرکھا
حسن کے دعوے ہیں سب جھوٹے

رحم بھی کر اے دستِ جنوں اب
زخمِ جگر کے ٹانکے ٹوٹے

وہ نہ کریں گے ترکِ تغافل
شوق سے کوئی چھاتی کوٹے

قدرِ وفا کی بڑھتی رہے گی
ظالم لاکھ کسی پر ٹوٹے

ذوقِ طبیعت چاہیئے ایسا
دل ہر حال میں لذّت لوٹے

بھول گئی سب عیش بہاراں
کوہِ الم جب سر پر ٹوٹے
حُسنِ چمن پرست نہ ہونا
نقشِ خزاں ہیں سب گُل بُوٹے
ہوش و خرد میں دُکھ ہی دُکھ ہے
مدہوشی کیوں ہاتھ سے چھُوٹے
اُن کی سنگ دلی سے اے دِل
دیکھئے کس دِن قسمت پھُوٹے

○

بُتِ خود بیں سے آشنائی کی
آئینے نے بڑی صفائی کی
بے وفا تجھ سے آشنائی کی
داد دے اس مری ڈھٹائی کی
کی وفا ہم نے اک جفا جُو سے
آپ اپنے سے بے وفائی کی
جبر پر صبر ہی کیا ہم نے
مرتے دم تک نہ لب کشائی کی
صاف گو ہُوں زمانہ ساز نہیں
بات برحق جو منہ پہ آئی کی
مست رہتے ہیں اپنے حال میں ہم
کس کو پروا ہے جگ ہنسائی کی
خُود تو ڈوبا ہمیں بھی لے ڈوبا
ناخُدا نے یہ ناخُدائی کی

کوئی آتا نہیں اڑی پر کام!
دیکھ لی وضع آشنائی کی
اُس کے در تک پہنچ کسی کی نہیں
فکر ہر اِک کو ہے رسائی کی
جو رہی بات لاجواب رہی
دِل نے ہر رنگ میں خدائی کی

O

حشر کیا ہوگا نہیں معلوم اس دل کے طفیل
میں کہاں پہنچوں گا آخر فکرِ منزل کے طفیل

بحرِ ہستی میں جو ایسی ہی رہی رفتارِ عمر
نذرِ طوفاں جاں ہوگی کشتیٔ دل کے طفیل

زندگی اک مستقل آزار ہے کیا کیجئے
چشمِ ساقی کے کرم سے ربطِ قاتل کے طفیل

ایسے جذبِ عشق پر سو دل سے ماتم کیجئے
موت پروانے کی دیکھی شمعِ محفل کے طفیل

اب تو بزمِ زندگی ہے اور اک شورِ نشور
ہر طرف محشر بپا ہے تیغِ قاتل کے طفیل

جا ہی پہنچیں گے کبھی تو منزلِ مقصود تک
شوقِ پیہم کی بدولت سعیٔ حاصل کے طفیل

ایک آزارِ محبت ایک آزارِ وفا
ایک مشکل آ گئی ہے ایک مشکل کے طفیل

کیا کہیں ہم کونسی منزل میں ہے عمرِ رواں
سانس رُک رُک کر چلے جب غم کی مشکل کے طفیل
کھو دیا اے دِل ہمیں اک بے وفا کی چاہ نے
مدِّ فاضل ہو گئے مدِّ مقابل کے طفیل

محبّت نے کئے نازل عذاب اوّل سے آخر تک
بلائے جاں رہا دورِ شباب اوّل سے آخر تک

کہوں تو کیا کہوں کس سے کہوں سنتا نہیں کوئی
تغافل ہے مرے غم کا جواب اوّل سے آخر تک

اُمنگیں ولولے جوشِ تمنّا عالمِ وحشت
رہے چاروں مرے حق میں عذاب اوّل سے آخر تک

قفس میں آشیاں میں دشت میں صحنِ گلستاں میں
رہا ہوں میں سراپا اضطراب اوّل سے آخر تک

محاسب لاکھ ہوں لیکن کسی سے ہو نہیں سکتا
جدائی کے مصائب کا حساب اوّل سے آخر تک

نگاہِ شوق کے جذب و کشش کو بے اثر دیکھا
دلِ مضطر رہا ناکامیاب اوّل سے آخر تک

برقِ چمن کو ربط ہے وہ آشیاں کے ساتھ
جس طرح دردِ دل کو مرے جسم و جاں کے ساتھ

ہے مہرباں کے ساتھ کہ نامہرباں کے ساتھ
کٹ تو رہی ہے عمرِ غمِ جاوداں کے ساتھ

اس نے لگا دیے ہیں محبت کو چار چاند
نقش و نگارِ زیست ہیں حسنِ بتاں کے ساتھ

پھر بھی نیاز و ناز میں ہے منزلوں کا بُعد
ہے شاخِ گُل ہزار مرے آشیاں کے ساتھ -

بے سُود امیدِ حاصلِ ہستی کو کیا کہوں
پیوست کر دیا مجھے فکرِ زیاں کے ساتھ

منزل کی دُھن لگی ہوئی جس راہ رو کو ہو
کیونکر بندھا رہے وہ کسی کارواں کے ساتھ

ہے بحرِ زیست ہمّتِ مرداں سے موجزن
قطروں کا اہتمام ہے آبِ رواں کے ساتھ

آئی بہار حلقہ بگوشِ قفس ہوئے
اپنا جنوں پنپ نہ سکا آشیاں کے ساتھ

چلتا ہے عام طرزِ تکلم یہاں کہاں
شرحِ نیازِ عشق ہو عجزِ بیاں کے ساتھ

ہوتی ہے پندگو کی تو ہر بات دل شکن
پتھر بھی چلتے رہتے ہیں اس کی زباں کے ساتھ

اے دل معارِ حُسنِ سماعت پہ ہے یہاں
ناقوس کی صدا بھی ہے شامل اذاں کے ساتھ

○

کبھی دل لگانے کی گفتگو کبھی دل لگی کی تلاش ہے
مرے خودکشی کے دن آئے ہیں مجھے سرخوشی کی تلاش ہے

مجھے راس ہے غمِ زندگی غمِ زندگی کی تلاش ہے
مری زندگی تو اسی سے ہے مجھے بس اسی کی تلاش ہے

ہو نظر تو شام بھی ہے سحر یہ نظر نظر پہ ہے منحصر
جنھیں روشنی کی نہیں خبر اُنھیں روشنی کی تلاش ہے

مجھے اُس خوشی کی خوشی نہیں جو جہانِ غم کی ہے دل لگی
جسے خوش نصیب کہیں خوشی مجھے اُس خوشی کی تلاش ہے

نہیں ایسی کچھ ہمیں جستجو نہیں اور جینے کی آرزو!
انہیں ڈھونڈتی پھرے زندگی جنہیں زندگی کی تلاش ہے

جو گرے ہوؤں کو اٹھا سکے جو تھکے ہوؤں کو چلا سکے
کوئی ایک ایسا بشر بھی ہے جسے اس خوشی کی تلاش ہے

جسے کھل کھلانے کی ہو خوشی وہ جو منہ پھلا کے نہ رہ سکے
جو شگفتگی کا پیام دے مجھے اُس کلی کی تلاش ہے

جسے شامِ غم کی کہیں خبر اسے کیسے کوئی کہے سحر
شبِ تارِ زیست میں بے خبر تجھے کیوں اُسی کی تلاش ہے

ہے یہاں کی راہ وہ پُر خطر جہاں موت کہتی ہو الحذر
یہ اُسے جتا کے بتائیے جسے زندگی کی تلاش ہے

جو بھٹکتی پھرتی ہو چارسُو وہ نظر قبولِ نظر نہیں
وہ نظر کہ جس کو قرار ہو مجھے بس اُسی کی تلاش ہے

یہی آدمی کی ہے زندگی کہ اسیرِ دامِ طلب ہے
ابھی یہ ملے ابھی وہ ملے یہی زندگی کی تلاش ہے

جو بتوں کو پاؤں تو کس طرح جو خدا ملے تو کہاں ملے
میرے بس کی بات نہ یہ نہ وہ مری بےبسی کی تلاش ہے

یہی کج روی ہے تو ہمسفر مرا ساتھ چھوڑ کے راہ لے
تجھے راستے کی تلاش ہے مجھے راستی کی تلاش ہے

نہیں حق پہ ایک کی بھی نظر جسے دیکھئے وہ ہے بے خبر
کہیں آدمی بھی کوئی ہے دل مجھے آدمی کی تلاش ہے

بہ فیضِ عشق مرگِ ناگہاں تک بات آ پہنچی
الٰہی خیر اپنے امتحاں تک بات آ پہنچی

نہ اپنا ہے نہ اُن کا ہے نہ ہے کچھ ہوش عالم کا
نہ پوچھو بے خودی میں اب کہاں تک بات آ پہنچی

تمہارے پاس رہ کر بھی دلِ ناشاد نالاں ہے
تمہاری بے نیازی سے یہاں تک بات آ پہنچی

محبت راز ہی بن کر رہے دل میں تو اچھا ہے
بہت پچھتائیں گے جس دم زباں تک بات آ پہنچی

تری محفل میں جو گستاخ تھے کیا ہو گیا ان کو
ستم گر آج جو مجھ بے زباں تک بات آ پہنچی

یہی دل تھا کہ رہتا تھا یہاں نغمہ سرا ہو کر
یہی دل ہے کہ اب آہ و فغاں تک بات آ پہنچی

جہانِ عیش میں لے خوابِ رنگیں دیکھنے والو
ذرا جاگو کہ مرگِ ناگہاں تک بات آ پہنچی

نگاہِ گرم ہی سے آپ ہیں شکوے پر آمادہ
کہیں گے کیا اگر دل کی زباں تک بات آ پہنچی

○

خرامِ ناز ہے تیرا جو فتنہ خیز کیا غم ہے
تیرے نقشِ قدم پر میں ہوں سجدہ ریز کیا غم ہے

کرم ہی ہم تو ہیں سمجھے ہوئے تیرے ستم کو بھی
اگر تیرا کرم بھی ہے ستم آمیز کیا غم ہے

ڈبو کر رکھ نہ دیں گے اس میں ہم آلامِ ہستی کو
جو تیرے درد سے ہے جامِ دل لبریز کیا غم ہے

ترے تیرِ نگہ سے کھیلنے کی ہے خوشی مجھ کو
یہ جب تک زخم دل کے ہیں تبسّم ریز کیا غم ہے

ہمیں دے چارہ گر! لا تلخ کامی کی دوا کیا ہے
جو دنیائے دنی سے اس میں ہے پرہیز کیا غم ہے

برس اے چشمِ تر ابرِ بہاری بن کے برسے جا
اگر ہے حُسن کا گلشن تبسّم ریز کیا غم ہے

خرد بھی تو ہے دُنیا کے لئے سامانِ بربادی
جنوں کی ہے اگر اُفتاد محشر خیز کیا غم ہے

جُدا عِشقِ حقیقی جب نہیں عشقِ مجازی سے
مزاجِ عشق رہتا ہے جو بے پرہیز کیا غم ہے
مقام ایسی فضا کے ہیں بہت کم قیدِ ہستی میں
اگر ہے دل اسیرِ زلفِ عنبر بیز کیا غم ہے
بُرے دن بھی نکل جائیں گے اچھے دن بھی آئینگے
بہت چال ابلقِ ایام کی ہے تیز کیا غم ہے
کوئی بد باطن اے دل شان اِسکی کیا گھٹائے گا
میری خاکِ وطن ہے علم و فن انگیز کیا غم ہے

○

کوئی دل کی لگی میں کر سکے ضبطِ فغاں کیسے
لگی ہو آگ گھر میں تو نہ اُٹھے گا دھواں کیسے

فریبِ ذکرِ حورانِ بہشتی خوب ہے واعظ!
مگر نظریں رہیں بیگانۂ حُسنِ بتاں کیسے

نظر جب تاب لا سکتی نہیں ہے حُسن رنگیں کی
نظر میں جذب کر لوں حُسن کی رنگینیاں کیسے

وہ طائر زندگی کا راز جو پرواز کو سمجھا
رہے گا وہ گرفتارِ فضائے گلستاں کیسے

کُند ہم جنس با ہم جنس پرواز اے دلِ ناداں
جدا ہو شمع سے پروانۂ آتش بجاں کیسے

گلی میں جس کی ہم برسوں سے آتے جاتے رہتے ہیں
کبھی پوچھا نہیں اُس نے کہ آئے ہو یہاں کیسے

عداوت باغباں کو ہے تو پھر انجام کیا ہو گا
چمن میں رہنے پائے گا ہمارا آشیاں کیسے

گرا کر ہم کو بھاگا مرکب عمر رواں کیسے
بتائیں کیا ہوا یہ حادثہ جا کر کہاں کیسے

گھڑی بھر بھی ہمارا دل تو دنیا میں نہیں لگتا
خدا جانے یہاں کے لوگ رہتے ہیں یہاں کیسے

بہاریں آتی جاتی ہیں بہاریں آئیں جائینگی
شباب آتا نہیں جا کر بنے یہ جاوداں کیسے

کہیں کیا ہو گیا آخر کو معیارِ وفا کیسا
گئی سب کی کرائی اپنی محنت رائیگاں کیسے

تعصب، کینہ و بغض و عداوت اب ہے دنیا میں
مسرت کی فضا پیدا کرے کوئی یہاں کیسے

جہاں ہے محو حیرت میری اُس در تک رسائی ہے
ہر اک یہ پوچھتا ہے اب کہ تم پہنچے وہاں کیسے

دیارِ حسن کی آب و ہوا کیسی نظر آئی
وہاں کی راہ گذر کیسی ہیں اے قاصد مکاں کیسے

انھیں باتیں محبت کی بری معلوم ہوتی ہیں
ہم اے دل مہ جبینوں کے ہیں پھر ہم زباں کیسے

آدمی میں امتیاز اچھا نہیں!
آدمی کا اس پہ ناز اچھا نہیں!

کچھ فسونِ چشم ناز اچھا نہیں
اس میں جو کچھ ہے وہ راز اچھا نہیں

اے ستمگر! دشمنِ اہلِ وفا
یہ جفاکاری پہ ناز اچھا نہیں

خوگرِ بغض و حسد ہوتے ہیں جو
اُن کا ہونا سرفراز اچھا نہیں

ہے دو رنگی صورتِ بزمِ نشاط
سوز کچھ اچھا ہے ساز اچھا نہیں

لطفِ ساقی اور فصلِ برشگال
اب تو مے سے احتراز اچھا نہیں

خاطرِ ناساز ہے جی کا وبال
دیکھ اس سے ساز باز اچھا نہیں

کام ہیں دُنیا کے سب بگڑے پڑے
اب تو کوئی کارساز اچھا نہیں

دل مصیبت زندگی کی ہے ہوس
حرص کا دامن دراز اچھا نہیں

حد شناسائی تک اس کی ہے نہ رسوائی تک
منزلِ عشق نہیں بزمِ خود آرائی تک

خود شناسی ہے کہاں اُس کی شناسائی تک
کوئی پہنچا نہیں اس بات کی گہرائی تک

مار ڈالے گی ہمیں مست نگاہی کی ادا
کون جیتا ہے تری میکدہ آرائی تک

تنگ ہے بادِ صبا گلشنِ ہستی مجھ سے
نوبت آ پہنچی ہے اب بادیہ پیمائی تک

زیست ہی زیست نظر آتی ہے تا حدِ نظر
کوئی پہنچے تو سہی عشق کی گہرائی تک

ذوقِ کامل ہے اگر عشق ہے صادق اپنا
جا ہی پہنچیں گے کبھی منزلِ رعنائی تک

ہے خمارِ مئے عشرت میں بھی سامانِ سرور
ہوش اُڑا دیتی ہے ساقی تری انگڑائی تک

نگہِ ناز کرم اب تو ہو دل پر میرے
اس میں باقی نہیں اب تابِ شکیبائی تک

دِل ملا کرتے ہیں ناداں بڑی مشکل سے
عمر درکار ہے یک رنگی و یک جائی تک

اب تو جذبات نگاری ہے بہت کم ایدل
شعر گوئی ہے فقط قافیہ پیمائی تک

کارِ جہاں مُدام بجُز ما وجب نہ کر
لہو لعب میں کچھ نہیں لہو لعب نہ کر

کرتے ہوں ناپسند جسے سب وہ سب نہ کر
بدنام اپنے نام کو اے بوالعجب نہ کر

ہے عالمِ وجود میں عنقا اسی کا نام
ناپید ہے یہ جنس تلاشِ طرب نہ کر

بُت مہرباں ہیں تو اسی کا کرم ہے یہ
اِس کا بھی تو شمار بجز فضلِ رب نہ کر

تجھ کو کسی بھی نام سے لیتے تو ہیں پُکار
ان کے کرم کو دیکھ ملالِ لقب نہ کر

چینِ جبیں سے اُن کی ٹپکتا ہے کیا یہ دیکھ
اب اعتمادِ خندۂ در زیرِ لب نہ کر

اِتنا نہ مُنہ لگا کہ یہ سر پر سوار ہو
ایسی کبھی مروّت بہ بنت العنب نہ کر

رنجیدہ دوستوں کی نوازش سے ہے تو وہ
سنجیدہ رہ حکایتِ رنج و تعب نہ کر

ہو روزِ ابر یا شبِ مہتاب ہو تو پی
اپنی خوشی سے شغل یہ جب چاہے جب نہ کر

بادا و بادہ نوش ہے میخانہ محتسب
یہ تیری ملکیت نہیں ظالم غضب نہ کر

دنیا کا انتظام ہمیشہ سے ہے یہی
ناداں نہ بن شکایتِ عزل و نصب نہ کر

صحرا نشین غولِ بیاباں سے مل کے رہ
دار الاماں بنا اسے دار الحرب نہ کر

اے دل گئی جہاں سے روشِ رسم و راہ کی
جب تو نے جو کیا تھا وہ ناداں اب نہ کر

○

چھوٹ ہی جائیگا وطن آج نہیں تو کل سہی
روئیں گے اہلِ انجمن آج نہیں تو کل سہی
رنگِ بہار جائیگا دیکھئے کیا ہو آئے گا
دورِ خزاں چمن چمن آج نہیں تو کل سہی
میری نوائے شوق کی میرے جنونِ ذوق کی
قدر کریں گے ہم وطن آج نہیں تو کل سہی
چارہ گرِ دل کو ضد سی ہے دستِ جنوں سے آجکل
سِل کے رہے گا پیرہن آج نہیں تو کل سہی
طورِ پسندِ عام کا صاف بتا رہا ہے یہ
بدلے گا دہر کا چلن آج نہیں تو کل سہی
اشکوں سے کائناتِ عشق ہو کے رہیگی لالہ زار
ہوگا یہ دشت اک چمن آج نہیں تو کل سہی
ان کی ادائے مشقِ ناز لائے گی رنگ دیکھنا
ہو کے رہیں گے تیغ زن آج نہیں تو کل سہی

کعبہ و دیر چھوڑ کر تیرے دیارِ ناز میں
آئیں گے شیخ و برہمن آج نہیں تو کل سہی
ظلمتِ یاس سے نہ ڈر آگے قدم بڑھائے جا
چھٹ کے رہیگا یہ گہن آج نہیں تو کل سہی
جذبۂ شوق چاہیئے جلوہ بہ جلوہ نو بہ نو
دیکھیں گے ان کا بانکپن آج نہیں تو کل سہی
کوئی تو گفتگو کی بھی بات نکل ہی آئے گی
ہوں گے وہ ہم سے ہم سخن آج نہیں تو کل سہی
دل کے معاملے میں دل کام نہ دل لگی سے لے
بدلے گا حسن کا چلن آج نہیں تو کل سہی

نہ پوچھ اے دوست کیوں ہے دل ترا دیوانہ برسوں سے
نظر میں بس گیا ہے جلوۂ جانانہ برسوں سے

نصیب اپنا اگر برگشتہ ہے ہم سے تو کیا پروا
مزاج اپنا فقیری میں بھی ہے شاہانہ برسوں سے

سنو شیخ و برہمن سے فسانہ دیر و کعبہ کا
کہ میں تو ہوں رہینِ ساغر و پیمانہ برسوں سے

زمانے کا ہر اک رازِ نہاں اُن پر ہویدا ہے
ہمارا حال کیوں اُن پر ہوا افسانہ برسوں سے

نگاہِ اہلِ عالم میں سراسر اک معمّہ ہوں
کوئی دیوانہ کہتا ہے کوئی فرزانہ برسوں سے

تمہیں میری محبّت کی قسم ہے اب چلے آؤ
تمہاری راہ تکتا ہے دلِ دیوانہ برسوں سے

تمہارے حسن کی دیر و حرم جب سجدہ گاہیں ہیں
میرے دل کی ہیں راحت کعبہ و بتخانہ برسوں سے

تیرے آنے سے یہ اک بار بن کر طُور چمکا تھا
مگر تاریک ہے اب تو مرا کاشانہ برسوں سے
تمہیں وہ یاد فرماتے ہیں اے دِلؔ دیکھئے کب تک
بنا رکھا ہے جن کی یاد نے دیوانہ برسوں سے

بے تاب نگاہوں کا اثر چھوڑ چلے ہیں
ماحول کو ہم زیر و زبر چھوڑ چلے ہیں

ہم گیسو و عارض پہ تیرے خود کو مٹا کر
لے، تیرے لئے شام و سحر چھوڑ چلے ہیں

تا حشر یہاں سجدہ کناں عشق رہے گا
ہم نقش سرِ راہ گذر چھوڑ چلے ہیں

کس بات کا غم ہے جو ملا جامِ شہادت
ہم یاد زمانے میں اگر چھوڑ چلے ہیں

ہیں مر کے بہت خوش ہمیں مرنے کی خوشی تھی
دنیا کے لئے موت کا ڈر چھوڑ چلے ہیں

جاتے ہیں کہ دیکھیں عدم آباد کہاں ہے
ہم خانہ خرابی کو بھی گھر چھوڑ چلے ہیں

آرام کی دنیا نہ چلی ساتھ ہمارے
سوچے تھے نہ چھوڑیں گے مگر چھوڑ چلے ہیں

معلوم یہ ہوتا ہے پھر آئیں گے وہ جا کر
کچھ میری تباہی میں کسر چھوڑ چلے ہیں
دل پردۂ ظلمات میں ہم ہو کے روانہ
دنیا کو بہ امیدِ سحر چھوڑ چلے ہیں

○

کوچہ گردی پہ گذرا اچّھا نہیں
گھومنا یوں در بدر اچّھا نہیں

غم اٹھانا سر بسر اچھا نہیں
سر پھرے یہ دردِ سر اچّھا نہیں

ایک عالم پر نہیں اس کو قرار
آدمی کا مستقر اچھا نہیں

چارہ گر اچھا دوا اچّھی ضرور
یہ مرض دِل کا مگر اچھا نہیں

یہ جہاں اچّھا بھی ہوگا تو مگر
جس طرف ہم ہیں ادھر اچّھا نہیں

آپ اچّھے ہیں تو اچّھی بات ہے
کیا بُرا ہے مَیں اگر اچّھا نہیں

دم تو لے اے زندگی دم بھر کہیں
رات دِن کا یہ سفر اچّھا نہیں

شام تک کیا پیش آئے دیکھئے
آج کچھ رنگِ سحر اچّھا نہیں

دِل کشی نخلِ محبت کی نہ دیکھ
ہے شجر اچھا ثمر اچھا نہیں

گھِر گیا ہوں ہے پڑا رہنا یہیں
جانتا تو ہوں کہ گھر اچھا نہیں

کاروبارِ زندگی میں آدمی
بے دِل اچھا بے جگر اچھا نہیں

چوٹ کھانا زندگی کا کھیل ہے
درد کا لینا اثر اچھا نہیں

دوستوں میں کونسی اچھی ہے بات
دشمنِ بد ہیں اگر اچھا نہیں

حُسنِ اخلاق اُس کو آتا ہے کہاں؟
پاسدارِ مال و زر اچھا نہیں

اس سے ہے بیکار تسکینِ نظر
دیکھ حُسنِ رہگذر اچھا نہیں

دِل سے ایدل ڈر ہی لگتا ہے ہمیں
اِس قدر ہونا نڈر اچھا نہیں

○

زندگی ہوتی نہیں کچھ زندگی کے رُوپ ہیں
ہوش آتا ہے ہمیشہ بے خودی کے رُوپ میں

نامرادی ساتھ رہتی ہے اسی کے رُوپ میں
بے مقدّر کا تماشہ بے بسی کے رُوپ میں

محرمِ اسرارِ ہستی ہے وہی در اصل جو
اپنی ہستی سے رہے بیگانگی کے رُوپ میں

آجکل ہوتی نہیں کچھ دوست دشمن کی تمیز
دشمنوں کی دشمنی ہے دوستی کے رُوپ میں

دیکھنا ہے مجھ کو یا رب! تیرا اندازِ کرم
اس لئے دُنیا میں آیا مفلسی کے رُوپ میں

زندگی ہوتا ہے کیا مر مر کے جینے کا بھی نام
زندگی اپنی نہیں کچھ زندگی کے رُوپ میں

نبض مدھم ہو رہی ہے ہچکیوں کا زور ہے
دل لگانے کی سزائیں دل لگی کے رُوپ میں

دُشمنی ہی دُشمنی ہر سمت آتی ہے نظر
اب تو کچھ بہروپ سا ہے دُشمنی کے رُوپ میں
آدمی ملتا ہے مشکل ہی سے اب کوئی کہیں
ہیں بہت حیوان اے دلؔ آدمی کے رُوپ میں

مل رہا ہے دہر میں غم بادلِ ناخواستہ
جی رہے ہیں اب تو بس ہم بادلِ ناخواستہ

پھر کبھی تجھ سے منّت لیں گے نہ گھبرا اے فلک!
کیا دکھائیں تجھ کو دم خم بادلِ ناخواستہ

ہے کوئی مجھ کو حرم میں جو شرابِ ناب دے
پی رہا ہوں آبِ زمزم بادلِ ناخواستہ

ہم پہ ٹوٹے ہیں غموں کے بے دریغانہ پہاڑ
ہنس رہے ہیں ہم تو ہمدم بادلِ ناخواستہ

آپ سلجھائیں تو سلجھیں یوں سلجھ سکتے نہیں
گیسوئے تقدیر کے خم بادلِ ناخواستہ

ہو مقدّر میں نہ جب کوئی خوشی تو کیا کروں
کھا رہا ہوں دہر میں غم بادلِ ناخواستہ

آگیا ہے گھر ہی ملنے کو رقیبِ روسیاہ
کر رہا ہوں خیر مقدّم بادلِ ناخواستہ

ہے کوئی زہرابِ غم سے جو نوازے مجھ کو دِل
پی رہا ہوں ساغرِ جم بادلِ ناخواستہ

سر نگوں کر دے کہ سرافراز جو چاہے کرے
میرے حق میں وہ سراپا ناز جو چاہے کرے
راز کھولے یا نہ کھولے راز جو چاہے کرے
شوق سے وہ دیدۂ غماز جو چاہے کرے
حق کرے ناحق کرے ہر بات ہے ہم کو قبول
اُس کو حق ہے وہ سراپا ناز جو چاہے کرے
ایک ہی سی بات ہے اخفائے راز افشائے راز
ہم تو کچھ کہتے نہیں ہمراز جو چاہے کرے
شمع پر جلتے ہیں پروانے خوشی سے کس لئے
کوئی سمجھے گا نہ اس کا راز جو چاہے کرے
حالِ دل ہم کو سنانا ہے سناتے جائیں گے
ہو نہ ہو وہ گوش بر آواز جو چاہے کرے
ہیں برے دن ہو نہیں سکتا زمانہ سازگار
اضطراب اب خاطرِ ناساز جو چاہے کرے

وہ نگہ دِل کو ٹٹولے گی تو کیا لے جائے گی
پا نہیں سکتی ہمارا راز جو چاہے کرے
حضرتِ دِلؔ دِل سے کھُل کر کھیل لینے دو انھیں
ناز جو چاہے کرے، انداز جو چاہے کرے

○

غلط تو بات کوئی میری داستاں میں نہیں
سُناؤں تم کو یہ طاقت مگر زباں میں نہیں

اس آشیاں میں نہیں ہے اُس آشیاں میں نہیں
وہ جس کا نام محبت ہے اس جہاں میں نہیں

دلِ حزیں کا ٹھکانہ کہیں جہاں میں نہیں
کہاں گیا ہے وہ آخر اگر مکاں میں نہیں

یہ دیکھ لے کہ فلک پڑ گیا ہے نیلا کیوں
نہ کہہ کہ کوئی اثر آہِ بیکساں میں نہیں

دیا ہے جس کو دلِ دردآشنا تُو نے
ضرورت اُس کو کسی چیز کی جہاں میں نہیں

جنابِ خضر جو پھرتے ہیں مُنہ چھپائے ہوئے
کھُلا کہ لُطف کوئی عمرِ جاوداں میں نہیں

کہاں سے قیدِ قفس کو بناؤں لالِ گُلال
لہو کی بُوند بھی اب چشمِ خونچکاں میں نہیں

مزاج پوچھنے والے تجھے بتاؤں کیا؟
کہ خیریت جسے کہتے ہیں اب جہاں میں نہیں
کہاں جنونِ بہار اپنے پاؤں پھیلائے
ترس رہا ہوں بیاباں تو گلستاں میں نہیں
سکونِ قلب میسّر ہو سُننے والوں کو
کچھ ایسی بات محبّت کی داستاں میں نہیں
اُٹھاؤں بارِ گراں جسمِ زار کا کب تک
اب اِتنی تاب مری جانِ ناتواں میں نہیں
وہی لگن ہے مرے دل میں صحنِ گلشن کی
اگرچہ ایک بھی تنکا اب آشیاں میں نہیں
کہاں سے تلخ نوائی یہ آگئی اے بُت!
ذرا بھی پاسِ مروّت تری زباں میں نہیں
دِل اِک زبانِ خیالی ہے راشٹر بھاشا
جو بولتے کہیں باہر کسی مکاں میں نہیں

○

نظامِ ساغرِ دُنیا بدل سکے تو بدل
یہ وقت کا ہے تقاضا بدل سکے تو بدل

خیالِ عرضِ تمنّا بدل سکے تو بدل
سوالِ جُرأتِ بے جا بدل سکے تو بدل

ہوس پرستیٔ دُنیا بدل سکے تو بدل
چلن نہیں ہے یہ اچّھا بدل سکے تو بدل

وہ چال چل کہ ہو دُنیا کی رہبری جس سے
دلِ حزیں چلن اپنا بدل سکے تو بدل

الگ الگ ہی چل اس کاروبارِ ہستی سے
یہ رسم و راہ کا جھگڑا بدل سکے تو بدل

گلوں سے کیوں یہ کدورت ہے پیار کانٹوں سے
نہیں یہ خُوب طریقا بدل سکے تو بدل

خوشی کی تان اُڑانا کسی کے اشکوں پر
بہت بُرا ہے یہ منشا بدل سکے تو بدل

چھُری بغل میں ہے اور منہ میں رام رام یہ کیا؟
چلن نہیں ہے یہ زیبا بدل سکے تو بدل
فریب کار نہ بن چھوڑ چال بازی کو
ضرور یہ چلن اپنا بدل سکے تو بدل
حصُولِ زر ہی نہیں مقصدِ حیات اے دِل
یہ جستجُو یہ تمنّا بدل سکے تو بدل
یہی ہے زیست کا مقصد یہی ہے حاصلِ زیست
نصیب قوم و وطن کا بدل سکے تو بدل
غلط ہے یہ کہ ہے اُلفت بھی دِل لگی اے دِل
یہ دل لگی کا ارادہ بدل سکے تو بدل
نئے اُفق نئے ماحول کا تقاضا ہے
رسُومِ کہنہ کا شیوا بدل سکے تو بدل

خوش نوائی کو ہم آواز کی حاجت کیا ہے
سوز سب کچھ ہو تو پھر ساز کی حاجت کیا ہے

تُم تو آنکھیں ہی دکھاتے ہو چلو دیکھ لیا
جلوۂ حُسنِ ستم ساز کی حاجت کیا ہے

دل پہ کُھل نہ کرو وار جھجک ہے کیسی
اُس نگاہِ غلط انداز کی حاجت کیا ہے

کھیلتے رہتے ہیں وہ آکے تصوّر میں مدام
اب ہمیں انجمنِ ناز کی حاجت کیا ہے

کہہ نہ دو صاف بچے گا نہ مریضِ اُلفت
ابنِ مریم تمہیں اعجاز کی حاجت کیا ہے

طشت از بام ہے جو راز ہے اپنا تو ندیم
راز کیا ہے ہمیں ہم راز کی حاجت کیا ہے

دلِ بے تاب تو سامان ہے رسوائی کا
اب ہمارے لیئے غمّاز کی حاجت کیا ہے

دل میں ہے اُلفتِ صیاد قفس میں دانہ
اب مجھے طاقتِ پرواز کی حاجت کیا ہے

میں ہوں اور وسعتِ کونین تہہ دامِ خیال
طائرِ فکر کو پرواز کی حاجت کیا ہے

سحر کامل ہو تو سامانِ تقدس کیسا؟
نگہ ناز کو اعجاز کی حاجت کیا ہے

چلنے تو دو شعلۂ جوالہ کا رقصِ عریاں
خانہ برباد کو پشواز کی حاجت کیا ہے

دل کی ہوتی ہو جہاں جا کے تباہی ایدلؔ
تجھ کو اس انجمن ناز کی حاجت کیا ہے

شہیدِ ناز سے پوچھو رموزِ عاشقی کیا ہیں
گرہ اس عشق کی ہر اک سے سلجھائی نہیں جاتی

عشق میں کیا ہے بُرا اچھا سمجھتا ہے یہ آپ
دِل بڑھے آگے کہ آئے باز جو چاہے کرے

داغ ہیں سوزِ عشق کے سینۂ داغدار میں
یا ہیں سدا بہار پھول دامنِ نو بہار میں

آہ و زاری سے نہ کر عشق کی اَے دل توہین
کام لے صبر سے بیتاب نہ ہو ہوش میں آ

منزلِ عشق میں کچھ ہم سے بنائے نہ بنی
پاؤں بھی ٹوٹ گئے جب نہ رہے کام کے ہاتھ

شورشِ عشق کا سامان کِسے نذر کروں
کِس کو وحشت کا یہ دُوں داں کِسے نذر کروں

اس وقت نہ جانے ہوتی ہے کیا قلب و نظر میں سرگوشی
دُنیائے حیا کے کانوں تک جب عشق کا نام آجاتا ہے
